اُردو مرکز لائبریری

پیامِ زندگی

جلدِ پنجم

مرتبہ اُردو مرکز لاہور

[illegible] عطرچند کپور اینڈ سنز پبلشرز انارکلی لاہور

اُردو مرکز لائبریری

اُردو ادب کے جاں فروز مرثیوں کا علمی انتخاب

پیامِ زندگی

جلد پنجم

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی
(اقبال)

مُرتّبہ

مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد

بہ اعانت

حضرات اراکین اُردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

اُردو مرکز لاہور

ملک کی واحد اکیڈمی (اُردو مرکز لاہور) انتخاب ہفت کشور پنجاب کے دارالسلطنت لاہور میں ذیل کے اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے -

(۱) اُردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اُس جاندار اور مفید حصے کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے حتی الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شائع کرنا +

(۲) اُردو زبان کی مکمل انسائیکلوپیڈیا کی تالیف +

(۳) ایک جامع اُردو لُغات کی ترتیب +

(۴) اُردو مرکز کی مجلس ادبا (جو درحقیقت اردو زبان کے لئے ایک ادبی دارالافتاء ہے) کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع و متنازع فیہ امور کے متعلق ناطق فیصلہ کرنا +

ایک باوقار علمی جماعت جس میں ملک کے سربرآوردہ اہلِ قلم و منتخب انشا پرداز شریک ہیں اردو مرکز کے مذکورہ بالا اہم مقاصد میں سے پہلے مقصد کی تکمیل پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کئے ہوئے ہے اُس کی پہلی زرّین کوشش بیش گرانقدر مجلدات کی صورت میں قدر شناس نگاہوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے آنریبل سر شیخ عبدالقادر بالقابہ خاں بہادر شیخ نور الٰہی آئی - ای - ایس پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی جیسے نقادانِ ادب کے مشوروں کے ماتحت یہ مجلدات جماعت اُردو مرکز نے ترتیب دئے ہیں - قدر شناس اہلِ نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی - تو ہم کم و بیش ڈیڑھ سو مجلدات شائع کر کے اردو مصنفین کو بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کر دینگے +

تاجور نجیب آبادی - پروفیسر دیال سنگھ کالج - ایڈیٹر "اتحاد" و چیف ایڈیٹر اردو مرکز لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس واقع ایبٹ روڈ لاہور میں باہتمام بابو گورانداتا مل منیجر چھپی

فہرست مضامین

پیام زندگی

جلد پنجم

(شہادت حضرات عون و محمد)

۷۸۶

دیباچہ جلد سوم

دوسری جلد کے خاتمہ پر میر نفیس۔ پیارے صاحب رشید وغیرہ کے مراثی کا ایک انبار ہمارے پاس بچ رہا تھا۔ متاخّرین مرثیہ نگاروں کی توجّہ اگرچہ رنگینیوں اور لفظی صناعیوں کی جانب زیادہ مائل ہوگئی۔ اس لئے درد و تاثیر کا عنصر نسبتاً بہت کم ہو گیا۔ تاہم جو مرثیے ہمارے سامنے تھے۔ ان میں باوجود سخت سے سخت انتخاب کے ہمیں اکثر حصّے ایسے نظر آئے جو اس سلسلۂ انتخاب میں اگر نہ لئے جائیں۔ تو یقیناً ہماری اردو شاعری کا خزانہ چند گراں قدر جواہر پاروں سے محروم ہی رہے۔ اس لئے تیسری جلد کی طرح ہمیں مجبوراً ڈالنا ہی پڑی۔ ناظرین آیندہ صفحات میں اِن مراثی کی خوبی و اہمیّت کا خود ہی اندازہ فرمالینگے ؎

تیسری جلد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

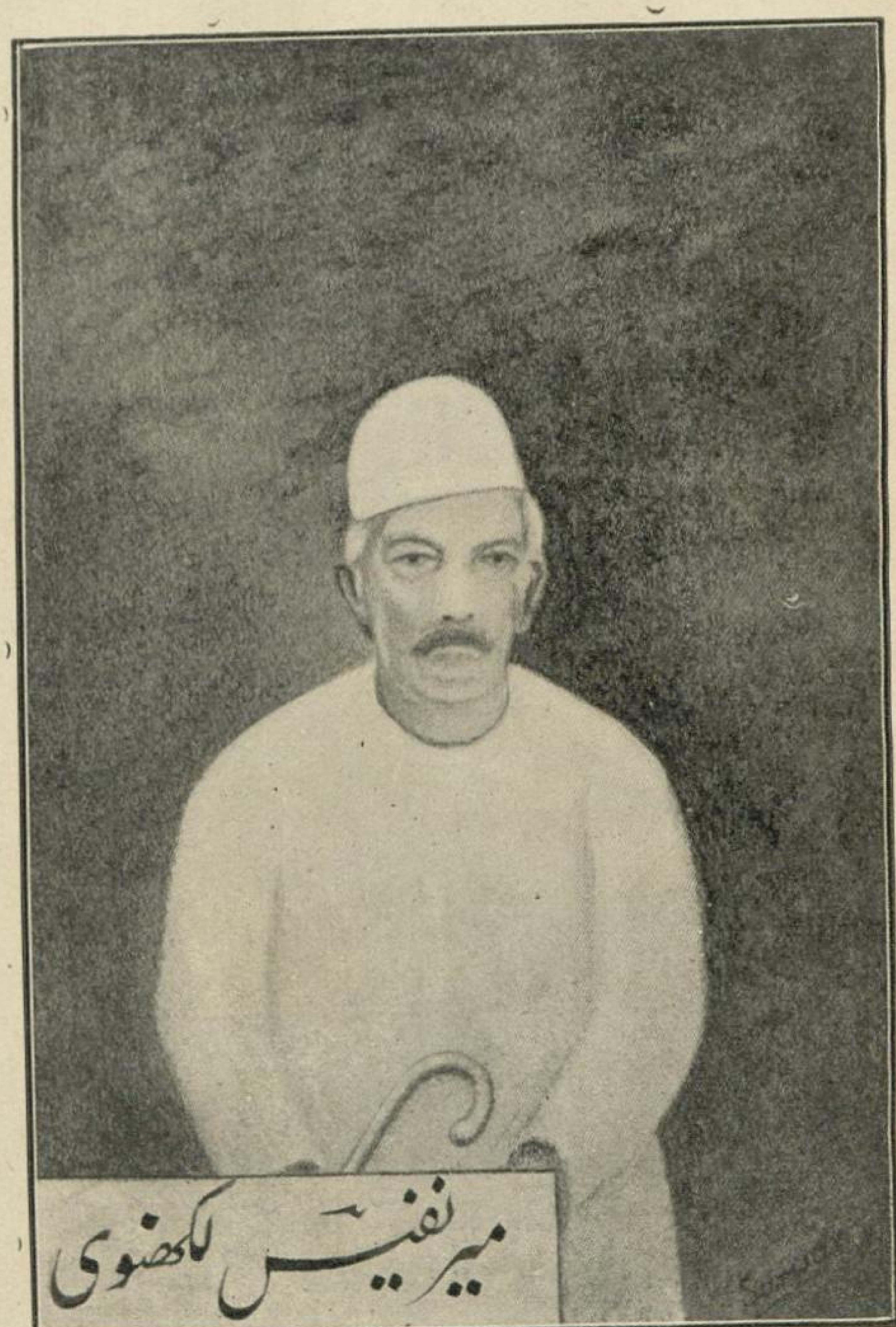
میر نفیس لکھنوی

درگاہِ حق میں جھکتے ہیں جنکے سرِ نیاز　　حقا کہ خلق میں وہی بندے ہیں سرافراز[۱]
عالم ہے جو اسی پہ ہیں ظاہر دلونکے راز　　بندونکے بگڑے کام بناتا ہے کارساز
بیگانگی جو سب سے ہوئی آشنا ملا
جب اپنی یاد بھول گئے تب خدا ملا

رفقائے امام نماز سے فارغ ہو کر مقابلۂ غنیم کے لئے تیار ہوتے ہیں۔
اس حالت کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں

کمریں[۳] کسیں سبھوں نے عمامے اُتار کے　　ڈیوڑھی پہ آئے زیورِ جنگی سنوار کے
تیور[۲] کچھ اور ہو گئے ہر خاکسار کے　　جنگل میں شیر آگئے گویا کچھار کے
قبضہ کو سر پہ رکھ کے ہر اک چومنے لگا
تلوار جس نے ہاتھ میں لی جھومنے لگا

۱؎ سرفراز ہونا۔ مشرف ہونا۔ ۲؎ تیور اور ہو جانا۔ تیور بدل جانا۔ ۳؎ کمر چست باندھنا۔ کمر کو پٹکے سے مضبوط باندھنا۔ مراد کام کے لئے بالکل تیار ہو جانا



میر نفیس لکھنوی

مرقع نگاری

ہتھوا سی لی کسی نے سپر کہہ کے یا قدیر　　تولا تبر کسی نے کہ ہے وقت دار و گیر
کرنے لگا درست کوئی قوسِ بینظیر　　ترکش کے منہ کو کھول کے دیکھے کسی نے تیر
پھر باندھ لی کسی نے کمر چیت کھول کے
بھالے بھی دیکھ بھال لئے تول تول کے

سپاہی کی عید

کہتے تھے چھوٹے بھائی سے عونِ فلک وقار　　تاکے رہو انہیں جو ہیں لشکر کے نامدار
یہ معرکہ ہے آج کا دنیا میں یادگار　　کیا عید ہو اگر ہمیں دے فتح کردگار[1]
لشکر کے مورچے درم پیکار چھین لیں
جانباز پہلوانوں سے ہتھیار چھین لیں

حالتِ جوش و غضب

یہ ذکر تھا اِدھر کہ اُدھر سے خدنگ آئے　　فوجِ امیرِ شام سے پیغامِ جنگ آئے
یاں غیظ میں محیطِ وغا[2] کے نہنگ آئے　　سینے کشادہ ہو گئے جینے سے تنگ آئے
آنکھوں سے اشکِ شاہِ حجازی نکل پڑے
تیغیں پکڑ کے خیموں سے غازی نکل پڑے

جنگ گرم ہوتی ہے۔ سب سے پہلے انصارِ امام شہید ہوتے ہیں۔ پھر مسلمِ عقیل کے صاحبزادے لڑائی میں کام آتے ہیں۔ زاں بعد عون و محمد کو اجازت جنگ ملتی ہے۔ قصہ یہ خبر لے کر خیمۂ حرم میں داخل ہوتی ہے۔ چنانچہ کہتے

[1] عید ہو۔ خوشی ہو۔ [2] محیطِ وغا کے نہنگ۔ لڑائی کے سمندر کے مگرمچھ۔ مراد بہت لڑاکے اور بہادر

ہیں:-

فضہ کھڑی تھی در پہ جو با دیدہ پُر آب / زینب کو دوڑ کر یہ خبر دی با اضطراب
روتے ہیں سر جھکائے امام فلک جناب / لو اب غروب ہوتے ہیں بی بی کے آفتاب[1]

یہ جانکاہ خبر سنتے ہی ناموس مصطفےٰ میں شور و شین برپا ہو جاتا ہے غم نصیب ماں کے دل پر جو صدمات گزرتے ہیں۔ اور ازاں بعد جو خواہش پیدا ہوتی ہے اسکی دھندلی سی کیفیت ان اشعار میں نمایاں ہے۔

حسرت دیدار

زینب کے دل سے سنتے ہی جاتا رہا قرار[2] / آئیں تڑپ کے خیمہ کی ڈیوڑھی پہ ایکبار
فضہ سے اضطراب میں بولی وہ سوگوار / تو دیکھ ہیں ابھی کہ سدھارے وہ گلعذار
رُخ ہو ادھر تو چاند سے رخسار دیکھ لوں
جی چاہتا ہے پھر انہیں اکبار دیکھ لوں

مرقع نگاری

فضہ نے عرض کی کہ ابھی ہیں وہ لالہ فام[3] / کاندھوں پہ نیمچے ہیں نظر سوئے فوج شام
بی بی گلے لگا کے ہٹے ہیں ابھی امام / کچھ کہہ رہے ہیں دونوں سے عباس نیکنام
جھک جھک کے بھائیوں سے بغلگیر ہوتے ہیں
قاسم بھی روتے ہیں علی اکبر بھی روتے ہیں

---

[1] بی بی کے آفتاب غروب ہوتے ہیں - مراد حضرت زینب کے دونوں صاحبزادے مرنے کے لئے جاتے ہیں [2] دل کو قرار نہ رہنا - دل بے چین ہو جانا

[3] لالہ فام - حضرت زینب کے خوبصورت صاحبزادے مراد ہیں -

فرمایا آپ نے کہ بُلائے اُنہیں ذرا آئے سوار گھوڑوں پہ دونوں وہ مہ لقا
تسلیم کی تو ماں نے دعا دے کے یہ کہا پیارو تمہاری جرأت و ہمت پہ میں فدا
کمریں کسی ہیں تیغ زنی کی اُمنگ میں
واری ہمیں بھی بھول گئے شوق جنگ میں

اسی سلسلہ بیاں میں فرماتے ہیں

یہ عجلتیں مجھے بھی تمہاری ہوئیں پسند گو چھوٹے چھوٹے قد ہیں پہ ہیں ہمتیں بلند
ہاں پیچھے قافلے سے نہیں رہتے عقلمند ہوتی نہیں یہ راہ کسی وقت گرچہ بند
خورشید بعد چار پہر کے غروب ہے
منزل پہ جلد پہنچے مسافر تو خوب ہے

حضرات عون و محمدؑ والدۂ محترمہ سے رخصت ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس طرح رجز خوانی کرتے ہیں۔

تم کیا یہ فوج کیا یہ ہزاروں کا شور کیا کیا زال کی بساط تہمتن کا زور کیا
شاہی کے آگے مزئیہ مرغ و مور کیا کھیلے اجل شکار تو بہرام گور کیا
ہمسا شجاع کون ہوا کائنات میں
رہتے ہیں ہاں اپنی موت کے طالب حیات میں

رزمیہ

یہ سنکے مورچوں سے بڑھے پہلوانِ فوج بولے نقیب آج ہے بس امتحانِ فوج

ف۱ اجل شکار کھیلے۔ مراد یہ ہے۔ کہ جب موت سر پر منڈلا رہی ہو۔ ف۲ بہرام گور۔ ایک ایران کا بادشاہ گزرا ہے۔ جو گورخر کے شکار کا شوقین تھا۔

خنجر کھنچے علم ہوئیں تیغیں میانِ فوج　　آمادۂ وغا ہوئے نام آورانِ فوج
لشکر بڑھا نشان نشانوں سے مل گئے
اسّی ہزار تیر کمانوں سے مل گئے

گونجے وہ جن پہ تھا پسرِ سعد کو وثوق　　غل تھا ادا ہوں آج جو حاکم کے ہیں حقوق
نکلے جری گروہ گروہ اور جوق جوق　　ڈنکے کی وہ مہیب صدا وہ غریو بوق
صحرا سما سے تابہ سمک گونجنے لگا
تاشے بجے کہ تا بہ فلک گونجنے لگا

نقشہ میدان جنگ

طنبور کا وہ شور وہ شہپور کا خروش　　ترہنگی وہ صدا کہ پھٹیں پردہ ہائے گوش
غوغائے زیر و بم سے لہو مارتا تھا جوش[۲]　　نے کی صفیر تھی کہ اُڑے طائروں کے ہوش[۱]
سارے درند شورِ دُہل سے دہل گئے
صحرا کے شیر چھوڑ کے جنگل نکل گئے

باہم پکارتے تھے نقیبانِ زشت خو　　نام آوروں کو رہتی ہے عزّت کی آرزو
جانیں لڑا دو آج جوانو کنارِ جو　　موتی کی آب[۳] ہے جسے کہتے ہیں آبرو
کرلو اسیر یوں انہیں حلقہ میں گھیر کے
جس گھات سے پکڑتے ہیں بچوں کو شیر کے

۱؎ طائروں کے ہوش اڑے ۔ مراد پرندے بھی گھبرا گئے　۲؎ لہو جوش مارتا تھا ۔ خون اُبلتا تھا ۔　۳؎ موتی کی آب ہے ۔ یعنی بہت قیمتی ہے ۔

آمادگی جنگ

بچوں نے آستینوں کو اُلٹا جلال میں
کچھ کثرتِ سپاہ نہ لائے خیال میں
یوں پنچے علم کئے جنگ و جدال میں
دو بجلیاں چمک گئیں دشتِ قتال میں

آمادۂ نبرد جو دونوں جری ہوئے
شکلیں بنا بنا کے فرس بھی پری ہوئے

دو بجلیاں سی کوند گئیں رن میں دو طرف
غل الاماں کا تھا صفِ دشمن میں دو طرف
سر لوٹتے تھے خاک پہ اس بن میں دو طرف
تھا طرفہ تفرقہ[1] سر و گردن میں دو طرف

پیدل میں تھی نہ جان نہ دم تھا سوار میں
ساری صف آدھی ہوگئی پہلے ہی وار میں

زور بیان

جب پھل لگے[3] تو پھول ہوئے سب سپر سے دور
زرہیں تنوں سے رُخ سے جھلم[2] خود سر سے دور
ہمت دلوں سے دور تھی قوت جگر سے دور
بھائی سے بھائی دور تھا بیٹا پدر سے دور

دو اس طرف کوئی کوئی چار اس طرف ہوا
بھاگا ادھر سے جو وہ شکار اس طرف ہوا

انداز بیاں

پہلو تہی کئے تھیں کمانیں خدنگ سے[4]
تلواریں منہ پھرائے تھیں میدان جنگ سے

---

[1] سر گردن میں تفرقہ تھا۔ سر کٹ کر گردن سے علیحدہ ہوگیا تھا۔ [2] جھلم۔ جنگی لباس کا ایک حصہ
[3] پھل لگنا۔ تلوار لگنا۔ [4] پہلو تہی کئے تھیں کمانیں خدنگ سے۔ یعنی تیر انداز وں کی کمانیں بیکار ہوگئیں۔

جب تیغ نیچے چلے تو نئی رنگ ڈھنگ سے سر پر پڑے گذر گئے گھوڑوں کے تنگ سے
دم لے کے جب گئے تو لہو چاٹتے گئے
اُلٹے ہوئے زمین کو بھی کاٹتے گئے
جس پہلواں پہ آئے صفیں توڑ توڑ کے گردن پکڑ لی فرق پہ دو ہاتھ[1] چھوڑ کے
جھٹکے دیے زمین کی طرف یوں مروڑ کے جس طرح شیر صید کو مارے جھنجھوڑ کے

راہواروں کی تعریف

جس صف پہ جس پرے پہ یہ گھوڑے ڈپٹ[2] کے آئے یوں آئے جیسے شیر گرسنہ جھپٹ کے آئے
مثلِ نگرگ ریت پہ سر تن سے کٹ کے آئے گھوڑوں سے خاک پر تنِ بے سر الٹ کے آئے
سب خاک میں ملے جو غرور انکے سر میں تھے
سینوں میں گردنیں تھیں تو سینے کمر میں تھے

زور بیان

اک شور تھا جئے وہی جو مر کے اُٹھ گئے کیا کیا جوان آج برابر کے اُٹھ گئے
جو مورچے بندھے تھے وہ ڈر ڈر کے اُٹھ گئے ہاتھوں سے کیا ہوا پاؤں تو لشکر کے اُٹھ گئے
منہ خنجروں کے مڑ گئے تیغوں کے دم رُکے
ان کے تھمے نہ ہاتھ نہ اُن کے قدم رُکے
وہ دشت وہ تمازتِ خورشید اور وہ پیاس پرواہ کیا ارادے تھے دونوں کے کیا حواس
جب پاسبانِ نہر بھی بھاگے بصد ہراس چھوٹے نے ترے سے کہا اے فلک اساس

---

[1] ہاتھ چھوڑنا۔ ہاتھ کی ضرب دینا [2] ڈپٹ کے تیزی کے ساتھ

چلتی ہے لو پسینے[۱] میں تر رہوار ہے
ٹھنڈی ہوا کے واسطے دل بیقرار ہے

قبضے سے بہ کے آیا ہے کہنی تلک لہو　　ہو مصلحت تو ہاتھوں کو دھولیں کنار جو
کہنے لگے یہ بھائی سے عونِ خجستہ خو　　دریا سے دور مرنے میں ہے آج آبرو
مشکیزہ ہے نہ ساتھ کوئی اپنے جام ہے
پانی سے کچھ غرض ہے نہ موجوں سے کام ہے

کرتے تھے دونوں بھائی یہ باتیں ابھی بہم　　پھر داہنے بائیں آنے لگا لشکرِ ستم
کیا ہوگا ابن سعدِ شقی کو یہ تھا الم　　ظالم کمک کو بھیجتا تھا فوج دمبدم
ہاتھوں میں برچھیاں تو کمانوں میں تیر تھے
فوجیں تھیں روم و شام کی اور دو صغیر تھے

زورِ بیاں

شیروں کے قتل کرنے میں تھا تازہ اہتمام　　راہیں رکی تھیں چار طرف تھا ہجوم عام
ہر جا بچھی ہوئی تھیں کمندیں مثالِ دام　　ڈھالوں سے دوپہر کو نمایاں ہوئی تھی شام
نیزے لچک رہے تھے کمانیں کڑکتی تھیں
تارے ہوا میں تھے کہ سنانیں چمکتی تھیں

نازک حالت

لڑنے لگے جو تیغ زنوں سے وہ صف شکن　　نیزافگنوں نے چھاندئے چاند سے بدن
چھپٹے کماں کشوں پہ جو پھر کر دہ بیوطن　　تیرے چلے کہ ڈوب گئے خون میں بدن

۱؎ پسینے میں ڈوبنا۔ پسینے میں تر بتر ہونا۔ پسینے میں نہانا۔

آئے جو نیزہ دار و نپہ باگوں کو موڑ کے
پھل نکلے برچھیوں کے کلیجوں کو توڑ کے

گھوڑوں پہ غش ہیں جھکتے ہیں جسم رشک ماہ　　نیزوں کی ڈانڈ مارتے ہیں سر پہ روسیاہ
تیغیں لگیں جو سر پہ تو حالت ہوئی تباہ　　لٹکے رخوں پہ کٹ کے عمامے کے پیچ آہ
زخموں سے چور ہو گئے سینے تنے ہوئے
بچے چلے بہشت میں دولہا بنے ہوئے

بیاضِ صبح کا جب چرخ پر ظہور ہوا　　جو دَور تیرا گئے شب کا تھا وہ دور ہوا
رُوئے سحر سے خجل حسن روئے حور ہوا　　محیطِ کون و مکان آسمان کا نور ہوا
مطیعِ خالقِ لیل و نہار اُٹھنے لگے
پئے نماز عبادت گذار اُٹھنے لگے

ادائیگی نماز

کسی نے غسل کیا اور کیا کسی نے وضو　　گلِ اذاں کی لگی جانے تا فلک خوشبو
نسیمِ طاعتِ ربّ علا چلی ہر سو　　شگفتہ جوشِ عبادت سے ہو گئے گلرو
جہاں میں فصل صلوات و درود کی آئی
بہار تازہ قیام و قعود کی آئی
مصلیوں کے مصلّے بچھے برائے نماز　　فلک کے اوج پہ جانے لگی صدائے نماز
نمازیوں کے وہ نور اور وہ حسن جائے نماز　　ملک بھی وجد میں تھے دیکھکر ادائے نماز

لہ بیاضِ صبح کا جب چرخ پہ ظہور ہوا۔ جب صبح نمودار ہوئی

وہ کونسی تھی جماعت جو سرفراز نہ تھی
نمازیوں کی وہ معراج تھی نماز نہ تھی

رجوع تھے دلِ اہلِ یقین سوئے باری   فریضہ سحری کی سحر کو تھی باری
جہاں میں حکم اقیمو الصلوٰۃ تھا جاری   ہراک پہ خوفِ خدا لئے انام تھا طاری

کوئی خضوع میں تھا اور کوئی خشوع میں تھا
کوئی سجود میں تھا اور کوئی رکوع میں تھا

دکھا رہی تھی اُدھر خوبیاں سحر کی ضیا   کہ جس کے ضو سے گھٹی جاتی تھی قمر کی ضیا
وہ آپ بحر کی ضو اور وہ دشت و در کی ضیا   ہراک چمن کا وہ جلوہ وہ ہر شجر کی ضیا

گلوں سے مل کے جو باہر نسیم آتی تھی
مشامِ جان کو بسانے شمیم آتی تھی

عبادت گذاری کا سماں (پرندوں کی حالت)

حمام و کبک و پرستوک ہُدہُد و تیہو[1]   پکارتے تھے کہ ہے لائق پرستش تو
نوا وہ مرغِ سحر کی دمِ سحر ہر سُو   کہیں تھا غلغلہ حق کسی طرف کو کو

عیاں درود کی آواز تھی لب جو سے
شجر بھی جھوم رہے تھے صدائے یاہو سے

اُدھر ہیں زمزمہ خوان طائرانِ دشت و جبل   ادھر ہیں مرغِ چمن محوِ ذکرِ عزوجل
زباں پہ ہے تو ہی آخر ہے اور تو ہی اوّل   ہراک چمن جو ہے تازہ یہ بندگی کا ہے پھل

---

[1] حمام۔ کبک۔ پرستوک۔ ہدہد۔ تیہو۔ مختلف پرندوں کے نام ہیں

جھک رہے ہیں جو طائر پر اپنے تولے ہوئے
خدا کی یاد میں غنچے بھی منھ ہیں کھولے ہوئے

درختوں کی حالت

زمیں پہ یہ بھی ہیں سرگرم بندگیٔ خدا — ہر اک نہال کی ہے شان سے یہی پیدا[1]
قریں جو سبزہ ہے وہ جانماز ہے گویا — کوئی قیام میں کوئی سجود میں ہے جھکا
تمام نخل تذلل میں اور خضوع میں ہیں
جھکی ہیں ڈالیاں جتنی وہ سب رکوع میں ہیں
نشانِ سجدہ ہے یا نجمِ ثاقبِ اسلام — وہ نورِ عارض و پیشانیٔ امامِ انام
دعا کو ہاتھ اٹھے اور ہوئی نماز تمام — بصد خضوع جو پھیرا امامِ دیں نے سلام

دعا

نبی کے لال یہ جانوں کو ہم نثار کریں — دمِ وغا مدد شاہِ نامدار کریں
جہاں میں نام[2] ہو وہ آج کارزار کریں — ستمگروں کو تہِ تیغِ شعلہ بار کریں
لہو میں آج بھریں[3] سر سے تا قدم یا ربّ
ہمارے نام شہیدوں میں ہوں رقم یا ربّ
رخ اپنے انکی طرف سرفرازیوں نے کئے — یہ کہہ کے شکر کے سجدے نمازیوں نے کئے

---

[1] پیدا۔ ظاہر۔
[2] نام ہونا۔ شہرت ہونا۔
[3] لہو میں بھرنا۔ لہو میں نہانا۔ شہید ہو جانا۔

مُصافحے بخوشی اُٹھ کے غازیوں نے کئے
سلام کعبۂ دیں کو حجازیوں نے کئے
سپاہ کیں میں اُدھر کوس جنگ بجنے لگے
حسین گھر میں گئے اور سلاح سجنے لگے

درست تن پہ کئے سب جدال کے ہتھیار
شگفتہ ہو گئے رُخ صورت گُلِ گلزار
دکھائی باغ شجاعت نے صاف اپنی بہار
بڑھے سوئے درِ دولت ادب سے گل رُخسار
عروس مرگ کے خواہاں تنے ہوئے نکلے
سب اپنے خیموں سے دولہا بنے ہوئے نکلے

جو کم تھے عمر میں انکو سوا تھا جوشِ وغا
رکھے تھے تیغے کاندھوں پہ مثل شیرِ خدا
خصوص بنتِ امیرِ عرب کے ماہ لقا
ولیِ حق کے نواسے حسین کے شیدا
ادھر تھا شہ کا برادر نشان کھولے ہوئے
کھڑے تھے یہ درِ دولت پہ تیغیں تولے ہوئے

تنوں پہ زیورِ جنگ و جدل سنوارے تھے
فدا ہوں پہلے ہم اک اک کے یہ اشارے تھے
عزیز سبطِ نبی عرش کے ستارے تھے
جو غیر تھے وہ عزیزوں سے شہ کو پیارے تھے
وہ ذرّے چمکیں نہ کیوں جب ہو مہرباں ایسا
جب ایسے مرتبہ داں ہوں تو قدرداں ایسا

نگاہ سے تھا عیاں جعفر و علی کا جلال
ملے تھے اُن کو شجاعت کے بچپنے ہی کمال
علم نہ ملنے کا چھوٹے کے دل میں تھا جو خیال
تو اُن سے کہتے تھے سمجھا کے عون جوش اقبال
فدا ہوں شاہ پہ طالب یہی خدا سے ہیں
علی کے بیٹے ہیں عباس ہم نوا سے ہیں

وہ ہر طرح سے مراتب میں ہم سری میں پالا
سکھائے جنگ کے فن گود میں ہمیں پالا
بزرگ عاشق بازوے سیدؑ والا
مطیع والدہ سب گھر کا چاہنے والا
کچھ اس میں رشک نہیں ہر کچھ انسے بیر نہیں
وہ چھوٹے ماموں ہمارے ہیں کوئی غیر نہیں
ابھی ہیں خیمۂ اقدس میں جلوہ گر حضرت
جناب والدہ سے کہکے لے رکھیں رخصت
وہ اس میں سعی کرینگے ضرور اور منت
رضا ملے تو بڑے کام سب بڑھے جرأت
لڑیں یزید لعیں کی سپاہ سے پہلے
جہاں میں جائیں علمدار شاہ سے پہلے
کہا یہ چھوٹے نے ہاں سچ ہو آپ کا ارشاد
ہمارے مالک و آقا ہیں شاہ نیک نہاد
کہا تھا شب کو جو اماں نے ہو وہ سب ہمیں یاد
عوض علم کے شہ دیں سے لیں رضائے جہاد
جناب والدہ راضی رہیں یہ مطلب ہے
امام دیں کی غلامی ہمارا منصب ہے
ادھر حرم میں حضرت زینب امام سے کہتی ہیں۔
لڑائی ٹھن گئی آخر وفا شعاروں سے
لڑینگے تشنہ دہن کس طرح ہزاروں سے
بھرا ہے دشت پیادوں سے اور سواروں سے
خدا بچائے گلوں کو ستم کے خاروں سے
خوشی ہوں مجھ پہ اگر تیغ موت چل جائے
تمہاری جان بچے میرا دم نکل جائے

لہ مرثیہ نگار لشکر شام کو لشکر کفار خیال کرتا ہے۔

سلہ لڑائی ٹھن جانا۔ لڑائی کا لازمی ہو جانا۔

ماں کی سفارش

یہ نورِ عین مرے قبلۂ امم کے غلام　　کہ جن پہ آپ کے لطف و کرم رہے ہیں مدام
اگرچہ کم ہیں سن و سال میں یہ گل اندام　　مگر ہے ان کو طلبگاریٔ بلندیٔ نام
نبی کے لختِ جگر کی مدد کریں یہ بھی
حضور پہ جو بلا آئے رد کریں یہ بھی

اسی سلسلہ بیان میں کہتی ہیں

ادب سے آپ کے ان کو نہیں مجالِ بیان　　مگر دلوں میں جو ان کے ہے مجھ پہ ہے وہ عیاں
یہ گھر میں اس لئے آئے ہیں یا امام زماں　　کہ سب سے پہلے ملے ہم کو رخصتِ میداں

اعتراف وفاداری

کہا حسینؑ نے جرأت کا ان کی کیا مذکور　　شجاع صاحبِ ہمت جری دلیر غیور
رخوں سے حیدرِ صفدر کی شان کا ہے ظہور　　یہ میرے قوتِ دل ہیں یہ میری آنکھوں کا نور
شکوہ ان سے عیاں جعفرِ جلیل کی ہے
انہیں سے زیب مرے لشکرِ قلیل کی ہے

جذبات نگاری

علم نہ ملنے کا ان کو ہوا تو ہوگا خیال　　کہا بہن نے کہ اتنی نہیں ہے انکو مجال
میں جانتی ہوں کہ ایسے نہیں یہ نیک خصال　　علم تو بھائی کو دیں آپ اور انہیں ہو ملال
مطیعِ حکمِ امام امام ہیں دونوں
یہ بھانجے نہیں شہ کے غلام ہیں دونوں

اشارہ بیٹوں سے ماں نے کیا کہ سامنے آؤ
قدم[1] پہ شاہ کی آنکھیں ملو سروں کو جھکاؤ
بس اب حضور کے ہمراہ دشت جنگ میں جاؤ
علی کے بیٹوں سے پہلے تمہیں لہو میں نہاؤ

ماں کا اشارہ پاتے ہی دونوں بہادر سلام کو جھکتے ہیں امام فرط محبت سے انہیں گلے سے لگا کر عصمت سرا سے باہر تشریف لے جاتے ہیں۔

رقم یہ کرتے ہیں اب ناقلانِ قصۂ غم
ہوئے جو وارد جنگاہ قبلۂ عالم
اُدھر سے آئی سپاہِ گرانِ ظلم و ستم
بڑھے اِدھر سے دلیرانِ فوجِ شاہِ امم
لہو سے جائے وغا[2] سرخ رنگ ہونے لگی
شجاع جا پڑے لشکر پہ جنگ ہونے لگی

حضرت مسلم کے جگر گوشوں کی شہادت کے بعد

جذبات نگاری

کہا یہ عونِ محمد نے شاہ سے بڑھکر
کہ اب غلام ہیں طالب رضا کے یا سرور
بہا کے اشک یہ بولا علی کا نورِ نظر
نہ جانے دوں تو ہوں آزردہ خواہرِ مضطر
بچائیں موت سے کیونکر کہ یہ نہ غم دیکھیں
ہزار حیف بہن تم کو روئے ہم دیکھیں

دعائیں دیکے کیا شاہ دیں کو جھک کے سلام
گئے خیام میں بنتِ بتول کے گلفام
کھڑی تھیں صحن میں بیتاب زینبِ ناکام
رخوں سے اُنکے خوشی دیکھکر کیا یہ کلام
کمر میں نیچے مثلِ علی لگائے ہو
امامِ دیں سے رضا لیکے شاید آئے ہو

[1] قدموں پہ آنکھیں ملنا - سلام کو عاجزانہ جھکنا - [2] جائے وغا - میدانِ جنگ

ادب سے دونوں دلیروں نے کی یہ عرض کہ ہاں
پکاری ماں کہ مبارک ہو رخصتِ میداں
جھکے سلام کو مادر کے جب وہ راحتِ جاں
رہا نہ ضبط ہوئے اشکِ چشمِ تر سے رواں
وفورِ اُنس و محبت سے گرد پھرنے لگیں
گلے سے جھک کے لگایا انہیں تو گرنے لگیں

وہ اس نمود سے دشتِ قتال میں آئے
کہ شیر صید پہ جیسے جلال میں آئے
ہجومِ فوج کب اُن کے خیال میں آئے
وغا کی فکر میں شوقِ جدال میں آئے
قریب بڑھ کے وہ یوں شیر دل گئے دونوں
سپاہِ کیں سے فرس جا کے مل گئے دونوں

مرقع نگاری

سمند جو جگی بھڑ کے سوار پیچھے ہٹے
جو سب کے آگے تھے وہ ہرزہ کار پیچھے ہٹے
پیادگانِ صفِ نابکار پیچھے ہٹے
بڑھا یہ خوف کہ بے اختیار پیچھے ہٹے
پروں پہ لشکرِ بیم و خطر جو آگے گرا
وہ اُس پہ جا کے گرا اور وہ اس پہ جا کے گرا

رجز میں یہ بند آنحضرت ص کی منقبت میں خوب کہا ہے

امینِ سرِ الٰہی حضور ختمِ رسل
شجاع وہ ہے کہ غزووں کا جسکے دہر میں غل
شگفتہ گلشنِ رعب و ہیبت داور کا گل
کہ جسنے کفر کے جلتے چراغ کردئے گل
دمِ جدال عرب کے دلیر لڑ نہ سکے
وہ گاڑے دین کے جھنڈے کہ پھر اکھڑ نہ سکے

پکارا شمر کہ ہاں افسرانِ فوج بڑھیں
علم کئے ہوئے تیغیں جوانِ فوج بڑھیں

دہل پہ چوب لگے اب نشانِ فوج بڑھیں — کھڑے ہوئے ہیں کدھر پہلوانِ فوج بڑھیں

خدنگ آتے ہی دونوں نے کی علم تیغیں

در آئے فوج میں غازی چلیں بہم تیغیں

زورِ بیاں

لہو سے ہو گیا افشاں تمام صفحۂ خاک — مثالِ سطرِ غلط کٹ گئی صفِ سفّاک

جو فنِ جنگ میں استاد تھے ہوئے وہ ہلاک — ورق کی طرح سے اجزائے جسم کر دیئے چاک

نہ حاشیہ کا نہ پھر متن کا حساب رہا

درست فصل رہی اور نہ کوئی باب رہا

اجل نے آ کے خزاں کونسی بہار نہ کی — کسی نے ڈر کے علم تیغِ آبدار نہ کی

نظر کسی نے ادھر بہرِ کارزار نہ کی — وغا میں ایک نے دونوں سے آنکھ چار نہ کی

قدم بڑھا نہ ادھر ایک لڑنے والے کا

زمیں تھی سُرخ کہ پھولا تھا کھیت لالے کا

رزمیہ

بڑھا کسی کا جو بھالا تو بھال کٹ کے گری — کلائی صورتِ شاخِ نہال کٹ کے گری

حُسام بھی دمِ جنگ و جدال کٹ کے گری — مثالِ کاغذِ بوسیدہ ڈھال کٹ کے گری

اٹھا کے تیغ بڑھے کوئی یہ مجال نہ تھی

وہ صف تھی کونسی جو واں شکستہ حال نہ تھی

---

۵۱ لہو سے ہوگیا افشاں تمام صفحۂ خاک۔ زمین خون سے لالہ زار بن گئی۔

۵۲ ورق کی طرح سے اجزائے جسم کردئے چاک۔ سپاہیوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔

۵۳ آنکھیں چار ہونا۔ آنکھ سے آنکھ ملنا۔

سپر پہ جس کے گری خود و سر بھی کاٹ دیا　　گلوئے تر قُوہ بد گہر بھی کاٹ دیا
اُتر کے سینے میں قلب و جگر بھی کاٹ دیا　　بڑھی وہاں سے تو مینڈ کمر بھی کاٹ دیا
غضب کا بار تن و توشِ اہلِ کیں پہ گرا
دو نیم ہو کے برابر شقی زمین پہ گرا

معرکہ آرائی

اُدھر تو اس نے دیا کر پرے گئے مسمار　　اِدھر سے رُول لیا اُس نے فوج کو یکبار
وہ سوئے میمنہ پہنچا علم کئے تلوار　　یہ میسرہ پر اڑاتا ہوا گیا رہوار
عنانیں تازیوں کی پھیر پھیر کر مارا
ستم شعاروں کو یوں گھیر گھیر کر مارا

مبالغہ شاعرانہ

کئے دلیروں نے سینے ہدف لڑائی میں　　ہوئیں ہزاروں کی جانیں تلف لڑائی میں
نہ بڑھ سکا کوئی خنجر بکف لڑائی میں　　گرے پرو پہ پرے صف بہ صف لڑائی میں
بنے نشانۂ تیرِ قضا قدر انداز
اجل کے گھر میں گئے سارے خانہ برانداز

کبھی تھے قلب میں لشکر کی صورتِ ضیغم　　کبھی جناح پہ جاتے تھے تیغیں کر کے علم
مزاج بگڑے ہوئے تھے طبیعتیں برہم　　کبھی پھر پروں کو نوچا کبھی گرائے علم
کبھی تھے پیل تنوں کے قریں پلو پہ کبھی
کبھی سواروں کے سر پر تھے پیدلوں پہ کبھی

سلہ رول لیا۔ سمیٹ لیا۔ سلہ سینے ہدف کرنا۔ سینوں سے ڈھال کا کام لینا۔

شجاعت مردانگی

کسی کی چھین لی تلوار اور کسی کی سپر کسی کا پھینک دیا لیکے خاک پر خنجر
کسی کا تیغ سے بڑھکر گرا دیا مغفر کسی کی سخت کماں توڑ ڈالی جھنجھلا کر
کسی کا نیزہ کسی شخص کا تبر چھینا
کسی کا گرز کلائی مروڑ کر چھینا

حضرات عون و محمد کے گھوڑوں کی برق رفتاری کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

مبالغہ

سبک خرامی و شائستگی میں یکتا ہیں قدم روانی میں دونوں کے موج دریا ہیں
نثار جست پہ آہوئے کوہ و صحرا ہیں چلیں تو سامنے کبک دری بھلا کیا ہیں
ادائیں دونوں کی گم ہوش و عقل کرتی ہیں
انہیں کی چال کی پریاں بھی نقل کرتی ہیں

آخرکار لڑتے لڑتے تھک جاتے ہیں۔ ساتھ ہی لڑائی کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ جفاکار چاروں طرف سے گھیر کر دونوں مجروح و خستہ بھائیوں کو نرغہ میں لیتے ہیں۔

تاثیر بیان

جواب دے چکی ہیں طاقتیں[1] لڑیں کیونکر رکی ہیں فوج سے راہیں فرس بڑھائیں کدھر
تڑپ کے بھائی کو بھائی بچا رہا ہے مگر یہ اُس پہ سینہ سپر ہے وہ اِس پہ سینہ سپر

---

[1] طاقت جواب دے چکی ہے۔ جسم میں طاقت باقی نہیں رہی۔

سوائے موت کے کوئی اور آس پاس نہیں
لہو رواں ہے تنوں سے مگر ہراس نہیں

بدن پہ تیغوں کے ہنس ہنس کے زخم کھاتے ہیں   سروں پہ پڑتے ہیں جب گرز مسکراتے ہیں
سپاہِ شام کے ریلے جو چلے آتے ہیں   سنانیں بھکتی ہیں گھوڑے جدھر بڑھاتے ہیں

عطش سے غش کی ہے نوبت سنبھل نہیں سکتے
چھ لاکھ کی ہے کشاکش نکل نہیں سکتے

آخر کار زخمی ہو کر گھوڑوں سے گر پڑتے ہیں۔ ادھر خیمہ اہل بیت سے

یہ حال دیکھتے ہی اکبر حزیں دوڑے   جگر پہ ہاتھ دھرے[1] قاسم حسین دوڑے
علم لئے ہوئے تلوار شاہِ دیں دوڑے   اُٹھائے نیزے کو عباس مہ جبیں دوڑے

کہیں بھٹے نہ کہیں بڑھ کے رک گئے شبیرؑ
ہٹا کے فوج کو لاشوں پہ جھک گئے شبیرؑ

اُٹھائے سے خاک سے لاشے حسینؑ نے جھک کر   علم کا سایہ علمدار نے کیا اُن پر
برہنہ سر ہوئے ہمراہ قاسم و اکبر   جب آئے در پہ تو چلائی زینب مضطر

یہ داغ اٹھانے کے قابل مرا کلیجہ تھا
وہی یہ ہیں جنہیں دولھا بنا کے بھیجا تھا

تمہاری چھوٹی سی لاشوں کے ہو نثار یہ ماں   نہ کیوں ہو مضطر و نالاں و بیقرار یہ ماں
لکھا تھا بیٹوں کے غم میں ہو اشکبار یہ ماں   ہوئی ہے ساتھ ہی دونوں کی سوگوار یہ ماں

---

[1] جگر پہ ہاتھ دھرے۔ یعنی دفورِ غم کی حالت میں۔

خموش لیٹے ہو تم ہے غم و ملال مجھے
وغا کا اپنی سناؤ تو اُٹھ کے حال مجھے

کس زباں سے شرفِ عون و محمد ہو بیاں　　جنکو جاں اپنی کہیں سبطِ رسولِ دو جہاں
شیر دل طرّہ دستارِ شجاعانِ زماں　　آجتک روتے ہیں اُن بچوں کو سب پیر و جواں
پائی اسلام نے تھے زینت انہیں دونوں کے سبب
رہ گئی دین کی عزت انہیں دونوں کے سبب

آج کس حسن سے بھیرہیں انھوں نے راہوا　　دنگ تھے دیکھکے وہ جو کہ ہیں برسوں کے سوار
نیزے اس شان سے دونوں نے ہلائے کہ پکار　　پھر گئی آنکھوں میں تصویرِ علیؑ حیدرؑ کرّار
شادیاں انکی ہوں گھوڑوں پہ یہ زیبا ن چڑھیں
سایہ ظلِ الٰہی میں یہ پروان چڑھیں

ہنسکے فرماتی تھیں عباسِ علی سے زینب　　کیوں نہ بھائی تمھاری ہی یہ تعلیم ہے سب
عون میں جعفرِ طیار کا ہے رعب و ادب　　میرے چھوٹے میں ہے سب شانِ شہنشاہِ عرب
جس کے خادم ہیں اسی کی یہ حمایت میں رہیں
یہی شادی ہے کہ آقا کی اطاعت میں رہیں

ماں سے تب عرض یہ کرتے تھے وہ دونوں گلفام　　آپ منہ دیکھیں نہ پھر آئیں جو حضرت کے نہ کام
وہ بھی رکتے ہیں کسی سے جو ہیں آقا کے غلام　　اذن پائیں تو اُلٹ دیویں ابھی کوفہ و شام

سلہ طرّہ دستارِ شجاعانِ جہاں ۔ مراد بہت بہادر

سلہ آگ کے دریا میں کود پڑنا ۔ مراد سخت سے سخت مصیبت میں پڑنا ۔

ہم سے اشجع ہوں تو منہ[1] پر کوئی آسکتا ہے
سبطِ احمد سے کوئی آنکھ ملا سکتا ہے
خون گرائینگے پسینے[2] پہ شہِ والا کے دم یہ نکلیں گے قدم پر پسرِ زہرا کے
جاں بھی دینگے تو ہم زورِ علی دکھلا کے کہتے تھے ماں سے یہ جب جوشمیں دونو آکے
شاد ہوتی تھیں کبھی گاہ دُعا دیتی تھیں
ہنسکے زینب اونہیں چھاتی سے لگا لیتی تھیں
ماں سے کہتے تھے یہ تب بنتِ علی کے دلِ وجاں ہم بھی حقدار علمداری کے ہیں کیوں اماں
ہم کو آقا سے دلادوگی محمد کا نشاں ہنسکے فرماتی نہیں یہ امر نہیں کچھ آساں
سب میں یہ اوج زبردست کو ہاتھ آتا ہے
جو نمودار ہو منصب یہ وہی پاتا ہے -
پانچ باتیں ہوں تو ملتا ہے علم کا عہدہ ایک یہ زور و شجاعت میں ہو لشکر سے سوا
دوسرے یہ کہ جواں ہووے قوی تر ہوں قوا تیسرے یہ کہ علم لیکے کرے سب سے وغا
چوتھے یہ ہو کہ نشاں اُٹھ کے نہ جھک جائے کہیں
پانچویں یہ کہ قدم بڑھ کے نہ رک جائے کہیں
ہو وہ جرار علمدارِ جنودِ اللہ رُعب سے جسکے لرز جائے مخالف کی سپاہ
جائے بیخوف و خطر چار طرف کر کے نگاہ پہنچے وہاں جاکے جہاں تک ہو نہ دشمن کی پناہ

---

[1] منہ پر آنا۔ مقابلہ کرنا۔ [2] پسینے پر خون گرانا۔ کسی کے لئے جان لڑا دینا۔

ایسا غازی ہو تو لشکر کا قدم بڑھتا ہے
فوج تب بڑھتی ہے جب آگے علم بڑھتا ہے

جب یہ فرماتی تھیں فرزندوں سے وہ خواہر شاہ
جھوم کر دونوں یہ کہتے تھے کہ انشاء اللہ
ہاں یہی ہو جائیگا اے والدۂ عالی جاہ
حسرتیں دل میں ہیں جو اُن سے خدا ہے آگاہ
وہ گھڑی آئے گی جب تیغوں کے پھل کھائینگے[1]
پہلے آقا پہ تصدق ہمیں ہو جائینگے

کہا زینب نے کہ ہاں دونوں ہو تم نیک صفات
وقت پر بھول نہ جانا مگر اس وقت کی بات
اب سفر کرنے پہ ہیں قبلۂ عالی درجات
عرض کی دیکھ ہی لیجئے گا جو باقی ہے حیات
ہم نہیں ایسے کہ تلوار پکڑ کر نہ مریں
کبھی بخشیں نہ ہمیں آپ جو لڑ کر نہ مریں

کل پھر احوال سنائینگے سرِ شام سے ہم
ابھی باقی ہیں بہت غزوۂ سلطانِ اُمم
بسترِ خواب پہ جب لیٹتے تھے وہ باہم
جھک کے مُنہ دیکھتی تھیں دونوں کے بادیدۂ نم
ذکرِ انجام میں مُنہ آنسوؤں سے دھوتی تھیں
جب وہ سو رہتے تھے تب بنتِ علی سوتی تھیں

واقعہ نگاری

کاتبانِ خبرِ غم نے کیا ہے یہ رقم
وارد وادیٔ غربت[2] ہوئے جب شاہِ اُمم
نہر پر رہنے کے مانع ہوئے پہلے اظلم
ساتویں سے تو قیامت کا ہوا ظلم و ستم

---

[1] تیغوں کے پھل کھانا۔ تلواروں سے زخمی ہونا۔

[2] وادی غربت سے میدانِ کربلا مراد ہے۔

گھاٹ کو روک لیا رحم سے منہ پھیر لیا
شامیوں نے قمرِ فاطمہ[1] کو گھیر لیا

لشکرِ شہ کی طرف تیرِ ستم آنے لگے رفقا آپ کے لے لیکے رضا جانے لگے
اپنی جاں بازیاں جنگاہ میں دکھلانے لگے زخم نیزہ و تبر و تیغ و سناں کھانے لگے
روئے شبیر جگر داری پہ جرّاروں کی
لاشیں آنے لگیں ڈیوڑھی پہ نمک خواروں کی

شہ نے بانفسِ نفیس آپ اُٹھائے لاشے اپنی آغوش میں احباب کے لائے لاشے
خون میں تر سر سے قدم تک نظر آئے لاشے قبلہ رُو گنجِ شہیداں میں لٹائے لاشے
کوچ اک روز میں برسوں کے شفیقوں کا ہوُا
خاتمہ ظہر تلک سارے رفیقوں کا ہوُا

تاثیرِ بیاں

ہے یہ احوال کہ ایک ایک کا غم کھاتے[2] ہیں دیکھ کر چرخ کو اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں
نام لے لے کے ہر اک دوست کا چلاتے ہیں دل کو تھامے ہوئے جھک جھک کے یہ فرماتے ہیں
تشنہ و بیکس و مظلوم سے منہ موڑ گئے
بھائیو عالمِ غربت میں ہمیں چھوڑ گئے

ابھی جیتے تھے ابھی مر گئے تم ہائے غضب ابھی پھرتے تھے زمیں پر ابھی بیجان ہو سب
ابھی آپس میں سخن کرتے تھے اب بند ہیں لب جاگتے تھے ابھی یہ کیا ہے کہ نیند[3] آگئی اب

---

[1] قمرِ فاطمہ ۔ حضرت امام حسین [2] ۔ غم کھانا ۔ غم میں مبتلا ہونا ۔
[3] نیند سے موت کی نیند مراد ہے ۔

فوج بڑھ آئی ہے بیدار نہیں ہوتے ہو
دھوپ میں پاؤنکو پھیلائے ہوئے سوتے ہو

ناگہاں خیمہ میں دی آکے یہ فضہ نے خبر جنگ کو جاتے ہیں اب مسلم بکیس کے پسر
کہا زینب نے بتا عون و محمد ہیں کدھر عرض کی تیغوں میں اکبر پہ ہیں وہ سینہ سپر
کوئی بڑھتا ہے تو غصے میں اُسے ٹوکتے ہیں
تیر جب آتے ہیں ڈھالوں پہ اُنہیں روکتے ہیں

بنت زہرا نے یہ تب چیں بہ جبیں[1] ہو کے کہا پہلے اُن دونوں سو یہ کیوں نہ گئے بہر وغا
بولی فضہ کہ نہ دی سبطِ پیمبر نے رضا رو کے فرمایا کہ ہے ہے مجھے شرمندہ کیا

یکایک ڈیوڑھی پر غل ہوتا ہے کہ ایلچی شاہ کے پسر بھی مقتل میں کام آئے شور و بکا سے گھر تہ و بالا ہو گیا کہ اتنے میں امام ان کی لاشیں لیکر وارد خیمہ ہوئے

طنزیہ

لائے جب لاشونکو خیمہ میں امامِ دوسرا پونچھ کر اشک تہ فرزندوں سے زینب نے کہا
تم نے جو مُنہ سے کہا تھا وہ کیا خوب وفا خوب پہلے گئے سب سے طرفِ دشتِ وغا
خوب بڑھ بڑھ کے لڑے معرکہ میں کام کیا
نام کا وقت جب آیا تو بڑا نام کیا

زورِ بیاں

خوب میدان میں شجاعت کے[2] ہنر دکھلائے خوب ماموں کے عوض سینوں پہ نیزے کھائے

---

[1] چیں بجبیں ہو کر۔ غصے کی حالت مراد ہے۔

[2] شجاعت کے ہنر دکھانا۔ بہادری کے کرتب دکھانا۔

شام اور کوفہ کی فوجوں کو الٹ کر آئے خوب سرسبز ہوئے کھیت رہے پھل پائے

رن سے کیا کیا قدر اندازیاں دکھلا کے پھرے

راہواروں کی سبکتازیاں دکھلا کے پھرے

نام آور صفتِ جعفرِ طیّار ہوئے پہلے اوروں سے تمہیں مرنے پہ تیار ہوئے

بیچ کر جان شہادت کے خریدار ہوئے نام کے اوج کے آقا سے طلبگار ہوئے

دل میں ارماں تھا کہ دادا کا حشم ہم کو ملے

تھے اسی عزم پہ خواہاں کہ علم ہم کو ملے

تم نے مسلم کے یتیموں کی شجاعت دیکھی وہ بھی کم سن تھے مگر دونوں کی جرأت دیکھی

جا کے دو لاکھ پہ حملے کئے صولت دیکھی صدقے کس پیاس میں شہ پر ہوئے ہمت دیکھی

یوں وفادار وفاداریاں دکھلاتے ہیں

مر کے یوں آتے ہیں یوں ہنستے ہوئے جاتے ہیں

ایک حملے میں الٹ دیتے ہیں لشکر کو جری دھیان میں لاتے ہیں کب نیزہ و خنجر کو جری

دل قوی ہو تو پہنتے نہیں بکتر کو جری زیر کر دیتے ہیں چوٹوں سے تن آور کو جری

شیر بپھریں تو کہیں امن کی بھی جا نہ ملے

بھاگیں یوں پھینک کے تلواریں کہ رستا نہ ملے

لوازمات شجاعت

فوج اظلم سے جگر چاہیئے لڑنے کے لئے تند اور تیز نظر چاہیئے لڑنے کے لئے

نہ سناں اور نہ تیر چاہیئے لڑنے کے لئے ایک شمشیر و سپر چاہیئے لڑنے کے لئے

۵۱ کھیت رہنا۔ لڑائی میں کام آنا۔ پھل پانا مراد زخمی ہونا

گر ہزاروں کا ہو بلوا تو اسے کم سمجھیں
بعد کیوں جائیں جو مرنے کو مقدم سمجھیں

دخترِ شیرِ خدا نے جو بگڑ کر یہ کہا — سمجھے دونوں وہ گل اندام کہ اماں ہیں خفا
جوڑ کر خوف سے ہاتھوں کو یہ تب عرض کیا — سب سے پہلے ہمیں دونوں نے طلب کی تھی رضا
پیچھے رہنا ہمیں کیونکر ہو گوارا اماں
حکمِ آقا سے ہے کچھ زور ہمارا اماں

سببِ تاخیر

آپ فرماتی ہیں رخصت میں کیا تم نے قصور — چھوٹے ماموں کو بلا کر تو بھلا پوچھیں حضور
پاس سے قبلۂ عالم کے نہ دم بھر ہوئے دور — کوئی ضد کرنے کا موقع تھا نہ کوئی دستور
گر خفا ہوتے تو سب کہتے غضب تم نے کیا
آپ کہتیں کہ نہ ماموں کا ادب تم نے کیا

آئے شاہِ شہداؑ اتنے میں مغموم و حزیں — روئی ناشاد بہن دیکھ کے حالِ شہِ دیں
کچھ کہا چاہتے تھے بادشہِ عرش نشیں — گر پڑے پاؤں پہ شبیرؑ کے وہ ماہ جبیں
بولے حضرت کہ یہ کیا کہتے ہیں کیا مانگتے ہیں
کہا زینبؑ نے کہ مرنے کی رضا مانگتے ہیں

امام عالی مقام کہہ کر۔ کہ
بھیجتا ہے کوئی بچوں کو سوئے فوجِ ستم
انکار کر دیتے ہیں۔ مگر

لہ و لہ مراد امام حسین علیہ السلام

کہا زینب نے کہ اب اسمیں نہ کیجے انکار — آپ پران کو فدا کرتی ہے یہ سینہ فگار
بہتر ان سے کوئی شے اور نہیں بہر نثار — رد[١] نہ کیجئے مرا ہدیہ کہ بہن ہے نادار
آپ بچ جائیں تو بچے بھی یہ گھر بھی صدقے
جان میری بھی تصدق یہ پسر بھی صدقے

کہکے یہ چھاتی سے دونوں کو لگایا کئی بار — گرد پھرنے لگے آقا کے وہ دونو جرار
ماں سے رخصت ہوئے جسوقت کہ وہ گل رخسار — جوش الفت سے رہا دل کو نہ زینب کے قرار
لڑکھڑائے جو قدم سرور دیں نے تھاما
غش جو آنے لگا بانوئے حزیں نے تھاما

تھا جو دونو کو دم صبح سے جوش وغا — باہر آتے ہی سمندوں پہ ہوئے جلوہ نما
دوش پہ تیغوں کو رکھ کر صفت شیر خدا — یں جو باگیں تو فرس دونوں اڑے مثل ہوا
دیکھ کر پردے سے مادر نے کہا بسم اللہ
فتح و نصرت نے بھی دی بڑھ کے صدا بسم اللہ

ساقی نامہ

ساقیا ہاں مئے گلفام پلا ہونٹوں سے — ساغر نور و دل آرام پلا ہونٹوں سے
ساز گین و فرح انجام پلا ہونٹوں سے — آج لبریز کوئی جام پلا ہونٹوں سے
نشۂ بادۂ اعجاز بیانی بڑھ جائے
ہو زباں صاف طبیعت کی روانی بڑھ جائے

---

[١] رد کرنا۔ قبول نہ کرنا

مرقع نگاری

مورچے فوج یزیدی کے بندھے چار طرف
برق تیغوں کی چمکنے لگی جمنے لگی صف
بل گرجنے لگے بجنے لگے نقارۂ و دف
تیر آتے ہی بڑھے جعفر طیاری کے خلف
دیکھ کر ان کا غضب زور ادھر گھٹنے لگے
ہاتھ قبضوں پہ جو ڈالے تو پرے ہٹنے لگے

نیمچے میاں سے دونوں نے برابر کھینچے
اُٹھ کے دو شعلوں نے بالائے فلک سر کھینچے[1]
جو قوی دست کہ بڑھ آئے تھے خنجر کھینچے
جنگ سے ہاتھ[2] اُنہیں لوگوں نے ڈر کر کھینچے
مثل حیدر صف اوّل پہ وہ صفدر آئے
تیغیں تولے ہوئے آئے تو برابر آئے

زور بیاں

دونوں جانب جو بھرے تھے وہ ہوئے دل خالی
خوں یہ برسا کہ ہوئے شام کے بادل[3] خالی
پہلے ہی وار میں بس تھی صف اوّل خالی
کر دیا شیروں نے روباہوں سے جنگل خالی
زندگانی سے دم جنگ و جدل سیر[4] یہ ہیں
شیر کو صید جو کر لیتے ہیں وہ شیر یہ ہیں

خوب ایک اک کو مزا شعبدہ بازی کا ملا
نہ تھی راکب کا پتہ اور نہ تازی کا ملا
یوں عوض بغض شہنشاہ حجازی کا ملا
اُڑ گئے ہاتھ یہ پھل دست درازی کا ملا

---

[1] سر کھینچنا۔ سربلند کرنا۔ [2] جنگ سے ہاتھ کھینچنا۔ جنگ سے منہ پھیر لینا۔

[3] شام کے بادل۔ مراد فوج شام [4] زندگی سے سیر۔ مراد زندگی سے بے پروا

دونوں ساعد تھے قلم ہو ہیکے دستانے قلم
سر قلم پاؤں قلم ہاتھ قلم شانے قلم

شکوہ لفظی

بھر دیا زخمیوں سے قتل کا میداں چپ و راس　　خاک پر ڈھیر سروں کے تھے نمایاں چپ و راس
راستے بند تھے تھا حشر کا ساماں چپ و راس　　سارا مجمع تھا ہراساں و پریشاں چپ و راس
خون میں تر لوٹ رہے تھے سر و پیکر پس و پیش
خوف سے کرتے تھے ڈھنے میں لا و لیس و پیش

پٹ گیا لاشوں سے میدان بلا دم بھر میں　　خون سے خاک کے دامن کو بھرا دم بھر میں
صاف کانٹوں سے کیا دشت وغا دم بھر میں[1]　　فوج باغی پہ عمل اپنا کیا دم بھر میں
ذکر کیا فوج کے پیروں کا جواں کانپتے تھے
بیرقیں ڈر سے لرزتی تھیں نشاں کانپتے تھے

معرکہ آرائی

کبھی نکلے کبھی لشکر میں دھنسے وہ ضیغم　　خوں بہایا کبھی اعدا کا کبھی لے لیا دم
فوج سے گاہ جدا ہو کے لڑے گاہ بہم　　کبھی تیروں کو کبھی کر دیا نیزوں کو قلم
کہیں بازو کہیں ساعد کہیں سر گرتے تھے
صید کرتے ہوئے دو شیر پڑے پھرتے تھے

تیغیں تولے ہوئے جس غول پہ وہ جا کے جھکے　　جنکے سر چرخ[2] پہ تھے سوئے زمیں آ کے جھکے

۵[1] کانٹوں سے صاف کرنا - مشکلات کو ہٹا دینا -

۵[2] سر چرخ پر ہونا - مغرور ہونا -

بھالے اونچے تھے جو لشکر میں وہ بل کھاکے جھکے   جو علم تھے بسر خاک وہ تھرا کے جھکے

قتل اس قوم کا ایک ایک زبردست کیا

اوج کو لشکرِ اشرار کے یوں پست کیا

زور و شجاعت

چھین کر ان کے نشانوں کو زمین پر پٹکا   لے لی ڈھال اسکی تو اس شخص کا خنجر پٹکا

شہسواروں کو سمندوں سے اُٹھا کر پٹکا   سر ٹرانسے[۱] نہ ہوا کوئی بہت سر پٹکا[۲]

ور[۳] ہزاروں پہ رہے فضل خدا سے دونوں

کیا لڑے پیاس میں حیدر کے نواسے دونوں

چھوٹی سی تیغوں کا وہ کاٹ وہ تیزی ہر جنگ   نرم تر موم سے تھی اُنکے لئے سختی سنگ

سر فشاں شعلہ فشاں آئینہ تاب آئینہ رنگ   اُن کا پانی وہ ستم آگیں تھا کہ موذی تھی تنگ

زہر چڑھ جاتا تھا جب کاٹ کے اوٹھ جاتی تھیں

سر پہ دو ناگنیاں فوج کے لہراتی تھیں

تہلکے میں کسی ظالم کے نہ تھے ہوش بجا   سارا سامان تھا جو لشکر کا وہ سب خاک ہوا

فوج میں چار طرف تھا تو انہیں کا ڈنکا   قہر تھی اس کی لڑائی تو غضب اسکی وغا

اس نے دل توڑ دیے اُس نے سپر کو توڑا

توڑ دیں اس نے صفیں اس نے پروں کو توڑا

---

۱ سر ہونا۔ غالب ہونا۔ ۲ سر پٹکنا۔ بے حد کوشش کرنا۔

۳ ور رہنا۔ غالب رہنا۔

شجاعت و مردانگی

اُس نے مغفر جو اڑائے تو سر اِسنے کاٹے
اُس نے دل سینے میں کاٹے جگر اِسنے کاٹے
اُس نے خنجر کئے ٹکڑے تبر اِسنے کاٹے
رخت جسم اُسنے تو بندِ کمر اِس نے کاٹے
صحبتِ تیر سہ پہلو کو کماں نے چھوڑا
ہاتھ کو بھالے نے بھالے کو سناں نے چھوڑا

ٹکڑے ہو ہو کے گرے ان کے نشاں مقتل میں
تیر لے پر ہوئے بے چلّہ کماں مقتل میں
گوشۂ امن تھا نے جائے اماں مقتل میں
بھاگتے پھرتے ہیں بچوں سے جواں مقتل میں
آبرو مٹ گئی سب تن سے جدا فق ہوئے
نام[۱] بھی ڈوب گیا خون میں یوں غرق ہوئے

جسکو ڈانٹا وہ گرا دھڑ سے مع تیغ و سپر
منہ سے نکلا نہ اس افتاد کی تھی ہم کو خبر
پھینک کر تیغوں کو جب بھاگتے تھے بانئ شر
عونِ جرّار سے کہتے تھے محمد ہنسکر
جا کے وہاں چھپتے ہیں لاشوں کے جدھر تودے ہیں
بھائی سچ کہتی تھیں امّاں یہ بڑے بودے[۲] ہیں

لڑتے لڑتے کبھی آتے تھے جو نزدیکِ فرات
پھیر کر منہ کو بڑا کہتا تھا چھوٹے سے یہ بات
یاد ہے کچھ سخنِ والدۂ نیک صفات
بھائی بھولو نہ اُسے باقی ہے جبتک کہ حیات
ہم کو جو حکم ہے اُس امر پر مامور رہو
پیاس شدّت کی ہو دریا سے بہت دور رہو

۱؎ نام ڈوب گیا۔ آبرو جاتی رہی۔

۲؎ بودے۔ بزدل

کہکے یہ فوج میں پھر ڈوب گئے وہ جرار — پھر ہوا حشر بپا چلنے لگی پھر تلوار
دونوں گھوڑوں کو نہ تھا صورتِ سیماب[1] قرار — بجلیاں کوندرہی تھیں کسے روکیں غدار
کوئی چھپنے کو ادھر کوئی اودھر جاتا تھا
کوئی بے سر کوئی بیدست نظر آتا تھا

دور سے اُن کی وغا شمر و عمر دیکھتے تھے — تھرتھراتے تھے جب اُڑتے ہوئے سر دیکھتے تھے
بدحواسی سے سوئے لشکرِ شر دیکھتے تھے — ادھر اُٹھ اُٹھ کے شہِ جن و بشر دیکھتے تھے
کہتے تھے بھائی سے رن ایسے بھی کم پڑتے ہیں
دونوں زینب کے جگر بند غضب لڑتے ہیں

دیکھتا ہوں میں بڑی دیر سے دونوں کی جدال — یوں جھپٹتے ہیں کہ جسطرح اسد سوئے شغال
چھپتے پھرتے ہیں یلانِ سیہ اہلِ ضلال — دیکھئے بھر گیا سب لاشوں سے میدانِ قتال
عون نے گرچہ دمِ جنگ و جدل کام کیا
مگر اس پیاس میں چھوٹے نے بڑا نام کیا

اس طرف چپ ہوئے یہ کہکے امامِ ابرار — اس طرف اُن پہ شقی ٹوٹ پڑے بیس ہزار
پاس سے چلنے لگے تیغوں کے اور نیزوں کے وار — دور سے ہونے لگی تیروں کی پیہم بوچھار[2]
جو گریزاں ہوئے تھے وہ بھی پھرے ہائے غضب
دو قمر شام کے بادل میں گھرے ہائے غضب

[1] صورتِ سیماب قرار نہ تھا۔ یعنی بہت بے قرار تھے۔

[2] تیروں کی بوچھار ہونا۔ تیروں کا کثرت سے آنا۔ تیروں کی بارش ہونا

شور تھا جتنے ہیں افسردہ مدد کو آئیں
اب نہ یہ فوج کے حلقے سے نکلنے پائیں
برچھیوں والے جو ہیں وہ بھی قریب آجائیں
تیغزن دیں نہ اماں خون[۱] میں انہیں نہلائیں

سنگدل فوج حضرات عون و محمد کو نرغہ میں لیکر انہیں مجروح کر دیتی ہے۔

شادیانہ ہوا لشکر میں بجا طبلِ ظفر
بولے عباسؑ کہ مارے گئے زینبؑ کے پسر
دوڑے مقتل کی طرف دیکھتے ہی یہ سرور
دوسے زینبؑ نے پکارا علی اکبرؑ ہیں کدھر
کہدے یہ کوئی کہ آنسو نہ بہانا بیٹا
تم خدا کے لئے تیغوں میں نہ جانا بیٹا

رو کے فرمایا کہ شہزادے ہیں یہ ادھر وہ غلام
خیر دنیا سے گئے گر تو گئے وہ گلفام
میں تو روتی نہیں رونے کا یہ ہو گرچہ مقام
یہ سلامت رہیں اور سر پہ مرے شاہِ امام
تیر واں چلتے ہیں کس طرح نہ غم کھاؤں میں
بال[۲] بیکا ہو جو اکبرؑ کا تو مر جاؤں میں

دونوں بچوں سے لپٹ کر یہ پکارے سرور
ہائے جیتا ہوں میں تم خلق سے کرتے ہو سفر
غش سے چونکو کہ مرا سینے میں ٹکڑے[۳] ہے جگر
کھولدو خوں بھری آنکھوں کو میں صدقے تم پر
ہو گیا صرفِ خزاں حیدرِ کرارؑ کا باغ
موت نے لوٹ لیا جعفرِ طیارؑ کا باغ

۱۔ خون میں نہلانا۔ زخموں سے گل رنگ کر دینا ۲۔ بال بیکا ہونا معمولی نقصان ہونا
۳۔ جگر ٹکڑے ہونا۔ مراد غم سے برا حال ہونا

(اس کے بعد یہ دو شعر تسلسل بیان کے لئے خوب ہیں

یتیمیں بھانجوں کی خیمہ میں لاتے ہیں حسین قاسم و اکبر و عباس ہیں غم میں بیچین

عون کو سیّد ابرار لئے آتے ہیں

لاش چھوٹے کی علمدار لئے آتے ہیں

اسی سلسلہ بیانمیں لکھتے ہیں

مرقع نگاری

فرق پر دونوں کے ہے سایۂ دامانِ علم خون سے تر پھول سے رخسار ہیں سینے ستم

گردنیں ڈھلکی ہیں اور بند ہیں چشم پُر نم دوش پر ماموں کے سر ہیں تو لٹکتے ہیں قدم

دل[1] پہ شبّیر کے اک خنجرِ غم پھرتا ہے

خاک پر زخموں سے بہ بہ کے لہو گرتا ہے

حضرت زینب اپنے بچوں کی لاشیں دیکھ کر۔ ہر چند انتہائے ضبط و صبر سے کام لیتی ہیں۔ لیکن

اشکِ خون دیدۂ گریاں سے گری بہ یہ گر

جھک گئیں لاشوں پہ پھر اللہ اکبر کہکر

ماں کی بیقراری

ایک ہاتھ اِسپہ تو ایک اُسپہ رکھا با دلِ زار خون بھرا اُسکا جو منہ چوما تو اِسکے رخسار

لیں بلائیں کبھی اس کی کبھی اُسکو کیا پیار کبھی صدقے ہوئیں اس پر تو کبھی اُسپہ نثار

---

[1] دل پر خنجر غم پھرنا۔ غم سے دل کا برا حال ہونا۔

زخم تن سر سے کبھی تا بہ قدم دیکھتی تھیں
ہاتھ رکھ رکھکے کبھی سینوں پہ دم دیکھتی تھیں
کی کبھی آہ کبھی زلفوں کی سونگھی خوشبو خوں میں ڈوبے کبھی چہروں سے ہٹائے گیسو
اپنی چادر سے چھڑایا کبھی گالوں کا لہو کبھی مُنہ ہاتھوں پہ رکھ رکھکے بہائے آنسو

تاثیرِ بیان

چھوٹے فرزند کی پھر لیکے بلائیں یہ کہا اے تنک طبع مرے لال مری شیر وغا
صبح سے تمکو لڑائی کی ہوس تھی کیا کیا تھی یہ عجلت کہ ہمیں پہلے ہوں آقا پہ فدا
جا اب اے وادیٔ غربت کے مسافر بچّے
صدقے اماں ہو خدا حافظ و ناصر بچّے

حضرت وحید لکھنوی

پائے کیا حضرت زینب نے بھی نایاب پسر گلشنِ مرتضوی کے گُلِ شاداب پسر
مہروشِ غیرتِ مہتاب جہانتاب پسر ذی شرف عرش حشم واجب الآداب پسر
طفل ایسے کہ جواں پاسِ ادب کرتے تھے
جنکی تعظیم بزرگانِ عرب کرتے تھے

مناقب

جن سے گھر مطلع انوار ہے وہ نورالعین حرزِ جانِ پدر و جوشنِ بازوئے حسین

صفدر و لختِ دلِ فاتحِ صفین و حنین
عاقل و صاحب توقیر نجیب الطرفین
جو ہیں رشتے ہیں نبی کے یہ گہر ایسے ہیں
نام ڈھبے کا نہیں جنمیں قمر ایسے ہیں

ہیں سعیدِ ازلی ہے یہ خدا کی تائید
بچپنے میں وہ تہور ہے کہ دید اور نہ شنید
زہد و علم و عمل و فضل میں شہ کی تقلید
اور فنِ جنگ میں عباس کے شاگردِ رشید
ماں نے سکھلائے جو ہیں حق کے ولی کے انداز
چشم و ابرو میں بعینہ ہیں علی کے انداز

مبالغہ شاعرانہ

جان شبیر کے ہیں فاطمہ کے پیارے ہیں
طور دادا کے تو نانا کے چلن سارے ہیں
بدرِ غیرت سے گھٹا جاتا ہے وہ تارے ہیں
جنگ میں قطب ہیں گردش ہو تو سیارے ہیں
رشکِ خورشید ہیں گو کم سن و سال ان کا ہے
آئے مریخ کو لرزہ وہ جلال ان کا ہے

جوشِ شجاعت

جب کبھی تذکرۃً کہتی تھی اُن سے مادر
بارہا لڑتے تھے فوجوں سے اکیلے حیدر
پاس آداب سے رہجاتے تھے سر نہوڑا کر
جوشِ جرأت سے بدل جاتے تھے لیکن تیور
جنگ کا شوق جوانمردوں کو تڑپاتا تھا
سینے تن جاتے تھے جب حرب کا ذکر آتا تھا
تھا زبس ولولۂ جرأت و ہمت دن رات
لڑکے مرجانیکو کہتے تھے وہ انجامِ حیات

دل کو مرغوب یہی تھی جو دلیرانہ ہو بات کبھی حیدر کی ستائش کبھی ذکرِ غزوات
خواب کے وقت حکایت نہ کوئی بھاتی تھی
کچھ شجاعت کا فسانہ ہو تو نیند آتی تھی

بچوں کا جذبۂ غیرت و شجاعت

پا چکے جب عَلَمِ فوج جنابِ عباس[1] آبدیدہ یہ گئے زینبِ ناشاد کے پاس
ماں نے گھبرا کے کہا خیر تو ہے کیوں ہو اداس جوڑ کر ہاتھ یہ کی عرض کہ اے عرش اساس
چھوٹے ماموں کو علم شہ نے دیا خوب کیا
ہم کو تقدیر نے ہمچشموں میں محجوب کیا
یوں تو ہر امر کے مالک ہیں امامِ[2] آفاق پر یہ صدمہ ہے کہ ہم پر نہیں اب وہ اشفاق
منہ دکھانا ہمیں کسطرح نہ دنیا میں ہو شاق حیف کی جا ہے کہ تھا کچھ نہ ہمیں استحقاق
اپنے جد جعفرِ ذی رتبہ و ذی جاہ نہ تھے
آپ فرمائیں کہ نانا اسد اللہ نہ تھے

درسِ ایثار

غور سے دیکھ کے منہ حضرتِ زینب نے کہا خوب یہ دل میں سمائی ہوئی ہے نامِ خدا
اس گھڑی بات وہ کی تم نے جو ہے نازیبا مصلحت میں شہِ والا کی تمہیں دخل ہی کیا
فوج چڑھ آئی ہے موقع نہیں دم لینے کا
وقت سر دینے کا یہ ہے کہ علم لینے کا

---

[1] یعنی حضرت عباس کو

[2] مراد حضرت امام حسین سے ہے۔

اسی سلسلہ بیان یہ بند خوب کہا ہے

سر اُٹھاتے نہیں اللہ رے غیرت کا وفور
سُرخ آنکھیں بھی تو ہیں غیظ سے چشم بد دور
تم تو کم سن ہو ابھی اور ہیں نازک یہ امور
کچھ کہا تو نہیں منہ سے شہ والا کے حضور
حرف شکوے کا زباں پر نہ کوئی آیا ہو
کہیں ایسا نہ ہو عبّاس نے سُن پایا ہو

گرچہ تم دونوں کی جرأت میں نہیں رشک نہ ہا
پھر ابھی کہنے کو بچے ہو یہ ماں تم پہ نثار
ہاتھ میں تیغ و سپر ہوتی جب اور دوش پہ بار
لڑتے یا رنگ دغا دیکھتے یا روکتے وار
ہر جگہ گھر کے اُس انبوہ کو ٹالا جاتا
خود سنبھلتے کہ علم تم سے سنبھالا جاتا

ماں کے سمجھانے پر بچے شرمسار ہو کر معذرت طلب کرتے ہیں

مرقع نگاری

عذر مادر سے پسر کرتے تھے با دیدۂ تر
آئے ناگاہ علمدار شہ جنّ و بشر
آنکھ سے ماں نے اشارا جو کیا گھبرا کر
گفتگو قطع ہوئی چپ ہوئے وہ رشک قمر
تھے زبس اختر افلاک سعادت دونوں
اُٹھ کے تعظیم بجا لائے بہ عجلت دونوں

حضرتِ عباس بھانجوں کو جوش محبت میں گلے لگا لیتے ہیں اور ان کی جرأت و ہمت ضبط و صبر کی تعریف کرتے ہوئے حضرتِ زینب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔

مصلحت یہ ہے کہ بیدل ہوں نہ یہ نور العین
گر نشاں دوش پہ انکے ہو تو آئے مجھے چین

میں تو ہر حال میں ہوں بندۂ احسانِ حسین تاجِ شاہی ہے اگر سر پہ وہ رکھدیں نعلین

دل فدائے کرم و لطفِ شہِ غازی ہے
بھائی فرماتے ہیں کچھ کم یہ سرافرازی ہے

حضرت زینب متبسم ہو کر جواب دیتی ہیں

ذکر یہ کرکے نہ خواہر کو پشیماں کرو
تم بزرگ ان کے ہو کچھ اس کا نہ اب دھیان کرو

واقعہ نگاری

مجھ سے ڈر ڈر کے علم کے لئے کہتے تو کہا پھر پشیمان بھی ہوئے سوچ کے کچھ عدس سوا
معذرت کرتے تھے بھیا ابھی دونوں بخدا تم جب آئے ہو تو چپ ہو گئے یہ ماہ لقا

شاہ سن لیتے تو پھر شرم سے گڑ جاتی ہیں
خود یہ نادم ہیں تمہیں صاف بگڑ جاتی ہیں

اب یہ کیا پہلے بھی کہتے تو سخن کو کھوتے مانتی میں نہ کبھی کرتے ضدیں یا روتے
گو کہ ہیں جعفر طیار کے دونوں پوتے پر علم پا نہیں سکتے یہ تمہارے ہوتے

عاقل و صفدر و ذیشان و ہنرمند ہو تم
گر نواسے یہ علی کے ہیں تو فرزند ہو تم

حضرت زینب بچوں کی جرأت و ہمت کی تعریف پر (جو حضرت عباس نے کی تھی) فرماتی ہیں۔

"فیضِ تعلیم تمہارا ہے یہ خواہر ہو فدا"

اسی سلسلہ بیان میں پھر ارشاد کرتی ہیں :-

بعضے بچپن کی وہ باتیں ہیں کہ روتوں کو ہنسائیں
ولولے یہ ہیں کہ ہم ثانیٔ حیدر ہو جائیں
ننھے ہاتھوں میں اگر زورِ یداللّٰہی پائیں
توڑنے کو درِ خیبر[1] بھی کہیں سے لے آئیں

دیو سا جسم پئے ضربِ گراں بھی ڈھونڈیں
معرکہ میں کوئی مرحب[2] سا جوان بھی ڈھونڈیں

واقعہ نگاری

مڑ کے پھر بیٹوں سے کہنے لگیں با دیدۂ تر
کیا کھڑے کرتے ہو قدموں پہ رکھو ماموں کے سر
جوڑ کر ہاتھوں کو جھکنے لگے وہ رشکِ قمر
جلد عبّاس نے چھاتی سے لگایا بڑھ کر

شفقت آمیز سخن منہ سے مکرّر نکلے
اپنے ہمراہ لئے خیمہ سے باہر نکلے

حضرتِ امام عازمِ میدانِ وغا ہوتے ہیں۔

شاعرانہ مبالغہ

چڑھ کے گھوڑوں پہ جلو میں ہوئے خویش و رفقا
غل تھا تکبیر کا اور شورِ رضینا بقضا
یک بیک رایتِ اسلام کا شقّہ جو کھلا
بن ہوا رشکِ ختن مست ہوئی بادِ صبا

ضو کو پنجے کی ملک تکنے لگے حیرت سے
مڑ گیا مہرِ جہانتاب کا منہ غیرت سے

حضرتِ امام میدانِ جنگ میں پہنچتے ہیں۔ لڑائی شروع ہوتی ہے۔ ابتدا میں آپ کے انصار جنگ کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں۔ مرثیہ نگار نے جنگ

ف۱ خیبر ایک مقام کا نام۔ جس کے قلعہ کو حضرت علی نے فتح کیا تھا۔

ف۲ ایک زبردست پہلوان۔ جو حضرت علی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

نعرہ زن جنگ کو جو صاحب شمشیر آیا
سمجھے غیظ میں کرتا ہوا اک شیر آیا

انصار کے بعد عزیزوں کی باری آئی۔ حضرت مسلم کے دو صاحبزادے معروف جنگ ہیں۔ حضرت زینب کے صاحبزادے عون و محمد میدان جنگ میں حضرت امام کے ساتھ موجود ہیں۔ اور جنگ کا نظارہ کرتے ہیں۔ مرثیہ نگار نے اس موقع کی تصویر کیا خوب کھینچی ہے۔

جذبات شجاعت

اِن میں جانبازیاں کرتے تھے جو وہ رشکِ قمر　　غور سے دیکھتے تھے حضرت زینب کے پسر
توڑتے تھے جو صفیں فوج کی واں وہ صفدر　　داد دیتے تھے رکابوں پہ یہ اٹھ اٹھ کے ادھر
تن کے جب بڑھتے تھے وہ وجد میں آتے تھے
ضرب جب پڑتی تھی اُنکی یہ بھڑک جاتے تھے

حضرت مسلم کے صاحبزادے شہید ہو جاتے ہیں۔ حضرات عون و محمد اجازت جنگ چاہتے ہیں۔ حضرت امام عذر کرتے ہوئے حضرت زینب کا ذکر فرماتے ہیں کہ وہ تمہاری دائمی مفارقت کے صدمے کیونکر برداشت کر سکینگی بچے عرض کرتے ہیں۔

گر کے قدموں پہ یہ کہنے لگے وہ غیرتِ ماہ　　حسرت اماں کو ہے مرنے کی ہمارے واللہ
فکر ہے آپ کو کیوں اُنکے قلق کی یا شاہ　　ہے خوشی اُنکی اسی امر میں سب گھر ہے گواہ
غم سے مر جائینگی زندہ جو ہمیں پائینگی
مر کے آئینگے یہ خادم تو وہ جی جائینگی

حق بجانب ہے یہ اماں کو نہ کیوں ہو منظور
آپ کے غم میں ہے دنیا انہیں اندھیر حضور
جاں نثاری میں کریں عذر یہ جس وقت قصور
اپنی اولاد بچائیں وہ یہ الفت سے ہے دور
ہے یقیں خاتمۂ صبر و رضا کر دیتیں
سَو پسر بھی جو ہوتے تو فدا کر دیتیں

جذبۂ ایثار و شجاعت

رخصتِ تیغ زنی دینگے ہمیں گر نہ امام
کوفت ہو جائیگی مر جائینگے صدمے سے غلام
فائدہ کیا جو ہوئے بسترِ حسرت پہ تمام
لڑکے لاکھوں سے جو ہوں قتل تو ہوں خلق میں نام
سر کٹیں بند سے ہو بند جدا خوں یہ جائے
ہم رہیں یا نہ رہیں بات جہاں میں رہ جائے

صحن میں خیمہ کے ہوتی تھی اُدھر یہ گفتار
پاس تھیں زوجۂ مسلم کے اُدھر زینبِ زار
باتیں سب سُن چکیں جس دم تو بچشمِ خونبار
آئیں یہ کہتی ہوئی پیشِ امامِ ابرار
کب سے میں دیکھتی ہوں آپ کو روتے بھائی
کیا یہ قصے ہیں کہ فیصل نہیں ہوتے بھائی

حضرت زینب کے اصرار پر جناب امام اظہار عذر کرتے ہوئے عون و محمد کے متعلق فرماتے ہیں

کونسا معرکہ دیکھا ہے دغا کیا جانیں
فتنہ پردازیٔ اربابِ دغا کیا جانیں
آنچ تلوار کی یہ ماہِ لقا کیا جانیں
پھول سے طفل ابھی گرم ہوا کیا جانیں
کوئی تکلیف سہے یا غمِ دنیا دیکھا
سایۂ دامنِ مادر کے سوا کیا دیکھا

حضرتِ زینب کا اصرار بڑھتا جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں کہتی ہیں

کیا کروں خلق میں جائز نہیں عورت کو جہاد[1] ورنہ ان قدموں پہ خود ہوتی فدا بہ ناشاد
یہ تو بر آئی نہ مجھ کشتۂ حسرت کی مراد صدقے کرتی ہوں میں اپنے عوض اپنی اولاد
غم سے نادار بہن ہوتی ہے بیدل بھائی
یہ تصدق نہیں کیا آپ کے قابل بھائی

حضرت امام اجازت عطا فرماتے ہیں۔ حضرتِ زینبؑ خوش ہو جاتی ہیں۔ بچوں کے چہرے فرطِ مسرت سے گلنار ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام فرماتے ہیں:-

مہلت اک دم کی بھی جسوقت کہ پانا پیارو
شکلیں ماموں کو پھر اک بار دکھانا پیارو

حضرتِ زینب بچوں کو اپنے ہمراہ لیجاکر پوشاک بدلواتی ہیں۔ پھر کچھ دل بڑھانے والے نصائح کہتی ہیں

درسِ شجاعت

دل بھر آیا تھا مگر تھام کے رقت یکبار بولیں لو غور سے سن لو مری باتیں دو چار
جنگ لاکھوں سے ہے اور تم ابھی نا تجربہ کار مستقل رہیو[2] ہراس آنے نہ پائے زنہار
ہو نہ مادر کو ندامت کہیں حاصل دیکھو
تم کو ہاتھوں سے گنواتی ہوں مرا دل دیکھو

درس غیرت و شجاعت

مرد غالب رہے میدان میں یا ہو مغلوب آن بان اپنی نہ ضائع ہو یہ سمجھے رہنے خوب
بات جرأت کے منافی نہ کبھی ہو مطلوب استعانت ہے دم جنگ کسی سے معیوب

[1] یہاں جنگ کے معنوں میں سمجھنا چاہیے۔ [2] رہیو متروک ہے۔ اب رہنا مستعمل ہے۔

سمجھے اللہ کو ہر دکھ میں نگہبان اپنا
اپنی تلوار ہو ہاتھ اپنا ہو میدان اپنا
ضرب پر ضرب چلے رن میں پڑے وار پہ وار
چوٹ پیدل پہ کبھی ہو کبھی اسوار پہ وار
یوں تو لازم ہے ہر اک ظالم غدّار پہ وار
کاش چل جائے کوئی شمر[1] ستمگار پہ وار
گو کہ دشمن شہِ بیکس کا ہر اک جاہل ہے
سُن رکھو تم بھی کہ ماموں[2] کا وہی قاتل ہے
دل نہ تھوڑے[3] ہوں بڑھے جنگ کو گر فوجِ کثیر
آئے ابرو پہ نہ بل گر ہو جبیں پر شمشیر
بات نیزوں میں ہے نوک کی گو تم ہو صغیر
سہم کر رُخ نہ پھرانا جو برسنے لگیں تیر
سرکشی پر وہ خطاکار ہیں یہ ظاہر ہے
قدر اندازوں کا کیا ڈر جو خدا قادر ہے
خوب واقف ہو کہ تم سے کوئی پیارا ہی نہ تھا
دل ہو میلا یہ مرے قلب کو یارا ہی نہ تھا
تم سوا زیست کا دنیا میں سہارا ہی نہ تھا
پل بھر آنکھوں سے ہو اوجھل یہ گوارا ہی نہ تھا
جاؤ تیغوں میں یہ اب خود متقاضی ہوں میں
کچھ تو ایسا ہے کہ مر جانے پہ راضی ہوں میں

حضرت زینب کس سوز و گداز سے بچوں کی شادی کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں

گھر ہوں آباد تمہارے میں تماشے دیکھوں
آج حسرت ہے کہ تم دونوں کے لاشے دیکھوں

---

۱ فوج شام کا ایک خونخوار افسر۔ ۲ شمر کو امام حسین رضؓ سے سخت عداوت تھی۔ اسی واسطے حضرت زینب نے اسے قاتل کے لفظ سے یاد کیا۔ ۳ ہمت کا کمزور ہونا۔

بچّے اپنی ماں یعنی حضرت زینب کو اطمینان دلاتے ہیں۔ کہ جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں سرِ مو فرق نہیں آسکتا۔

بچّے عازمِ وغا ہوتے ہیں۔ مرثیہ نگار یہاں سے ساقی نامہ شروع کرتا ہے۔

ساقیا ساغرِ گلرنگ سے ناب پلا   شربتِ طاہر و خوش لذّت و نایاب پلا
دم لبوں پر ہے دوائے دلِ بیتاب پلا   جستجو خضر کو بھی جس کی ہے وہ آب پلا
حوصلہ دل کا جو ہے نشہ میں دونا ہو جائے
جوش میں آکے طبیعت مری دریا ہو جائے

عقل میں زور وہ آجائے کہ حاصل ہو سرور   بلبل فکر نہ اُڑنے میں کرے عجز و قصور
صاف ہو دل کہ بنے آئینۂ جلوۂ حور   جس طرف آنکھ اُٹھاؤں نظر آنے لگے نور
پردے اُٹھ جائیں ہر اک رازِ نہاں دیکھوں میں
بے حجابانہ گلستانِ جناں دیکھوں میں

مرثیہ نگار ساقی نامہ کے سلسلہ میں حضرت زینب کی زبانی جنت کی تعریف کرتا ہوا۔ پھر اصل واقعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور حضرت عون و محمد کا آمادۂ جنگ ہو کر خیمہ سے برآمد ہونے کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے۔

در سے مہماں کوئی دم کے وہ پیارے نکلے
جھلملاتے ہوئے دو صبح کے تارے نکلے

واقعہ نگاری

جب چلے جنگ کو زینب کے دلاور دونوں   جھک گئے شاہ کے مجرے کو برابر دونوں
حکم پایا تو چڑھے گھوڑوں پہ بڑھکر دونوں   بادپا تیز ہوئے صورتِ صرصر دونوں

سب کو حیرت ہوئی اس شان سے رہوار چلے
جھونکے دو تند ہوا کے تھے کہ یکبار چلے

مبالغہ شاعرانہ

رن کو اس تیزروی سے وہ دلارام چلے — جس طرح گرم عناں ابلقِ ایّام چلے
وہم سو ٹھوکریں یاں کھائے جو دو گام چلے — ساتھ دینا ہو تو ہاں دامن زیں تھام چلے
کیا بجز نقش قدم اور نظر آتی ہے
پیچھے تھک تھک کے صدا ٹاپوں کی رہ جاتی ہے

حضرات عون و محمد میدانِ کارزار میں پہنچکر رجز خواں ہوتے ہیں۔ اور شمر سے باہمی مکالمہ ہوتا ہے۔ عون و محمد جواب سخت دیتے ہیں۔

کھنچے یہ نیمچے شیروں نے جو کھینچے یکبار — چھوٹے بھائی نے یہ کی عرض کہ اے عرش وقار
یہ شقی زد پہ نہیں قتل ہے اسکا دشوار — حملہ ور فوج ستم پر ہوں اٹھا کر رہوار
ندیاں خوں کی ریتی پہ رواں دیکھ تو لیں
خیر بچوں کی لڑائی بھی جواں دیکھ تو لیں

یاں سے ضیغم جو بڑھے زورِ تنِ شمر گھٹا — خوف سے پچھلے قدم صورت روباہ ہٹا
تین جانب سے اُٹھی شام کی گھنگور گھٹا — دشت کی گرد سے منہ نیّر اعظم کا اٹا
نعرہ زن فوجِ سیہ کار کے سب دل اُمڈے
شور کرتے ہوئے برسات کے بادل اُمڈے

حضرات عون و محمد کی جنگ ملاحظہ ہو

نیمچے کوند کے یوں فوج پہ یکبار گرے — جیسے خرمن پہ کبھی برق شرربار گرے

سر اُڑے ہاتھ کٹے خاک پہ خونخوار گرے　　دس کسی سمت کہیں آٹھ کہیں چار گرے
فوج کا حملۂ اول میں عجب رنگ کیا
اُس کو ہیجان اِسے بسمل اُسے چورنگ کیا

نیمچے فوج پہ سیفی[1] کی طرح چلتے تھے　　امن ممکن جو نہ تھا ہاتھ لعین ملتے تھے
تھی وہ سایہ میں حرارت کہ بدن جلتے تھے　　لیکے دم جسم سے مانند اجل ٹلتے تھے
کیوں نہ ہوں قابض ارواح برابر دونوں
بنگئے تھے ملک الموت کے شہپر دونوں

نقشہ جنگ

گر کے مقتل میں تڑپے خاک پہ قاتل بسمل　　کہیں تنہا کہیں بسمل کے مقابل بسمل
کوئی میداں میں کوئی تھا لب ساحل بسمل　　ہر طرف رن میں نظر آتے تھے بسمل بسمل
تھا یہ احوال جو ارباب جفا کا رن میں
نظر آتا تھا قیامت کا نمونہ رن میں

نیمچے دو تھے مگر دونوں کا عالم تھا ایک　　تیز دم ایک اگر تھا تو شرر دم تھا ایک
صاعقہ ایک تھا اور برق مجسم تھا ایک　　ایک تھا مرگ مفاجات تو مبرم تھا ایک
جانیں بچتی تھیں نہ اعدا کی جدھر گرتے تھے
ملک الموت کو ہمراہ لئے پھرتے تھے

معرکہ آرائی

جس طرف تیغ بکف آئے بہادر لڑکے　　شعلے دو آگ کے بڑھنے لگے گھوڑے بھڑکے
ڈر سے سینوں میں ستمگاروں کے یوں دل دھڑکے　　جس طرح پھنس کے کبھی دام میں طائر پھڑکے

[1] سیفی ایک دعا ہے۔ جس کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس کے پڑھنے سے دشمن مرجاتا ہے۔

آرزو تھی کہ کٹیں پسلیاں ہم چھوٹ چکیں
تیلیاں ان قفسوں کی کہیں اب ٹوٹ چکیں

مبالغہ شاعرانہ

دشت کے شور سے دریا کا بھی دل تھا مضطر   رن کو تکتے تھے تلاطم میں حباب اُٹھ اُٹھ کر
کوہ جنبان تھے زمیں کانپ رہی تھی تھر تھر   گردرہ رہ کے ہلاتی تھی اماں کی چادر
پہلواں دنگ تھے جرأت تھی نہ جرّاروں میں
غل تھا ہر بار دُہائی کا ستمگاروں میں

نقشۂ جنگ

نعرہ زن شیر[1] جو تھے گونج رہا تھا جنگل   سر کے بل گرتا تھا کوئی تو کوئی پشت کے بل
ہر طرف جاتے تھے گھبرا کے جو گھوڑے کوتل   منتشر فوج میں ہو جاتی تھی دوئی ہلچل
مضطرب یاں کے اُدھر دہاں کے ادھر آتے تھے
ٹھوکریں کھاتے تھے گر پڑتے تھے پس جاتے تھے
جنگ میں اُن سے لعیں آنکھ ملاتے ہی نہ تھے   ان کی نظروں میں پرے اُن کے سماتے ہی نہ تھے
اہل کیں وار کا موقع کہیں پاتے ہی نہ تھے   شیر روباہوں کی زد پر کبھی جاتے ہی نہ تھے
ہاتھ تیار جو تھے وار نہ کم ہوتے تھے
کیوں نہ ہوں جعفر طیار کے وہ پوتے تھے
امن کی جا تھی نہ شل احد[2] و بدر[3] کہیں   شور برپا تھا کہیں حشر کہیں غدر کہیں

---

[1] یعنی عون و محمد [2] مقام احد پر ایک جنگ حضور سرور کائنات سے ہوئی تھی [3] یہ جنگ بھی حضور سرور کائنات سے بدر کے موقع پر ہوئی تھی۔

یوں ہوے ہونگے نہ لاشے کبھی بیقدر کہیں　　سر کہیں ہاتھ کہیں پاؤں کہیں صدر کہیں
عیش میں غیر یگانوں سے سوا ہوتے ہیں
وقت پر سچ ہے کہ اعضا بھی جدا ہوتے ہیں

تلوار کی صفائی

کٹ کے گرتی تھی سپر نصف ادھر نصف ادھر　　اُڑ کے جا پڑتے تھے سر نصف ادھر نصف اُدھر
تیر افتادہ تھے پر نصف ادھر نصف ادھر　　جسم تھے خون میں تر نصف ادھر نصف اُدھر
پڑ گئی دھوم لڑے شاہ کے پیارے ایسے
فوج آدھی نہ رہی تیغے مارے ایسے

جوشِ شجاعت

قہر کا معرکہ کچھ دھیان میں آتا ہی نہ تھا　　آنکھ میں فوج کا انبوہ سماتا ہی نہ تھا
کچھ دم جنگ سوا جنگ کے بھاتا ہی نہ تھا[1]　　غیظ بچوں کو وہ آیا تھا کہ جاتا ہی نہ تھا
ہاتھ زوروں پہ زمیں چڑھتے چلے جاتے تھے
ساتھ ہمت کے قدم بڑھتے چلے جاتے تھے

نقشۂ جنگ

دست و پا کٹ کے لہو میں جو پھڑکتے تھے بہم　　لطفِ دریا سے نہ تھی وحشت کی کیفیت کم
عون سے ہنس کے یہ کہتے تھے محمد ہر دم　　اک ذرا مڑ کے ادھر دیکھئے اے بحرِ کرم
اب نگاہیں اسی جانب کو پھری جاتی ہیں
مچھلیاں خون کے دریا میں نظر آتی ہیں

[1] بھاتا ہی نہ تھا - پسند ہی نہ آتا تھا

جنگ گھمسان کی تھی چلتی تھیں سن سن تیغیں
خاک پر پھینکتے تھے ڈر کے قوی تن تیغیں
ضرب سے نیچوں کے کرتی تھیں شیون تیغیں
دمبدم ٹوٹ کے گرتی تھیں جھنا جھن تیغیں
بیرقوں کا تھا نشاں اور نہ پتا بھالوں کا
جھالریں ننگی تھیں حال یہ تھا ڈھالوں کا

اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

ہو کے بیجان وہیں بس رہ گیا جو جسپہ گرا
زین سے گرتے ہی فرس جھوم کے فارس پہ گرا
یہ کسے دھیان تھا وہاں کون گرا کسپہ گرا
سرنگوں اُسپہ یہ آتا تھا کہ وہ اس پہ گرا
عضو کٹ جانے پہ بھی اس نے دیا ساتھ اسکا
اس کا سر اُس کا قدم اس کا گلا ہاتھ اس کا

معرکہ آرائی

وار کرتے تھے رکابوں پہ جما کر جو قدم
ایک ہی ہاتھ میں ہو جاتے تھے دو اہل ستم
یوں بلندی سے سواروں کو گرایا پیہم
جیسے پھینکے تھے یداللہ نے طاقوں سے صنم
ظلم و بدعت کے مٹا دینے کی تدبیریں تھیں
کبھی نعرے تھے لبوں پر کبھی تکبیریں تھیں

غنیم کی بدحواسی ملاحظہ ہو۔

دمبدم پیش نظر تھی جو اجل کی تصویر
بدحواسی میں نہ بن پڑتی تھی کوئی تدبیر
گرتے تھے گاہ طنابوں میں الجھ کر بے پیر
کبھی جا پڑتے تھے گھبرا کے قناتوں پہ شریر
حشر برپا تھا عجب حال ہوا جاتا تھا
خیمہ سردار کا پامال ہوا جاتا تھا

تہلکہ سے نہ اماں تھی نہ تلاطم سے مفر
زلزلے میں تھی زمین کو بھی نہ تسکین دم بھر
خیمہ یوں جھکتا تھا ہر بار ادھر اور ادھر
سر دھنے تند ہوا میں کبھی جس طرح شجر

مثل گہوارہ نہ جنباں تھا وہ اس میداں میں
ٹوٹے لنگر کا جہاز آ گیا تھا طوفاں میں

طعنہ زن شمر ستمگر یہ تھے او عربدہ جو
ڈر نہ بچوں کا سمایا کہ نکلتا نہیں اب تو
زرد رو سامنے آ دیکھ تو مقتل کا لہو
دودھ کی بو تجھے آتی ہے کہ اب خون کی بو[1]

بدعت و ظلم کی کس طرح سزا دیں مردود
ہاں نکل آ تو مزا تجھکو چکھا دیں مردود

گھوڑوں کی تعریف

پاؤں سرعت سے زمیں پر نہیں رکھتے شبدیز
وہم و مرغ نظر و ناوک آزاد سے تیز
ساتھ چلنے میں ہوا شرم سے کرتی تھی گریز
عزم دل کا یہ سمجھ جاتے ہیں کیسی مہمیز

اڑ گئے پڑ گیا پشّے کے جو پر کا سایا
تازیانہ تھا انہیں تار نظر کا سایا

ناز آفت کے تو انداز غضب چھل بل کے
کبک و طاؤس کے رہ جاتے تھے دل ہل ہل کے
وصف ادنیٰ سا قدم کا جو دکھائیں چل کے
دست اسوار پہ لبریز نہ ساغر چھلکے

تیزیوں میں کوئی سرعت کا نہ پایا رہ جائے
ساتھ چلنے کا کرے قصد تو سایا رہ جائے

[1] عون و محمد بچے تھے اس لئے عمر ابن سعد نے طعن کیا تھا۔ کہ ابھی منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔

کشمکش فوج کی اس پہ بھی سوا تھی دہ چند
پر پہنچتے تھے ہر اک صف میں ہوا ینکے سمند
نیمچے کوندکے[1] جب دھوپ میں ہوتے تھے بلند
منتشر ہوتے تھے بالائے ہوا اڑکے پرند
صحن میں خیمہ کے بجلی سی چمک جاتی تھی
آنکھ بیساختہ ہر اک کی جھپک جاتی تھی

عمر بن سعد کے بھیجے ہوئے دو پہلوان مقابلہ کے لئے آتے ہیں۔

غرق تھے قلزم نخوت میں جفا جو ہمہ تن
ترش رو تیرہ دروں سخت زباں عہد شکن
ایسے کج خلق کہ ترچھی تھی ہمیشہ چتون
دوست اپنا ہو تو دیکھیں اُسے مثل دشمن
تذکرہ سُنکے شجاعوں کا اکڑ جاتے تھے
سیدھی باتوں پہ رئیسوں سے بگڑ جاتے تھے

دونوں پہلوان حضرات عون و محمد کے سامنے آئے اور کچھ لاف زنی کے بعد

حضرت عون سے ایک پہلوان جنگ کرتا ہے۔

معرکہ آرائی

چاپ کر ہونٹ کیا اُسنے کمر کا اک وار
یاں سپر رُک گئی اور پھول پہ بیٹھی تلوار
تیغ سر کلنے نہ پایا تھا ابھی وہ غدّار
جو کلائی پہ چلا نیمچہ سن سے اک بار
دل بیرحم پہ کوہ الم و درد گرا
تیغ بیداد لئے پنجۂ نامرد گرا
جلد گھبرا کے سپر روک لی اُس نے سر پر
ساتھ ہی چل گیا پھر نیمچہ ترچھا ہوکر
ہاتھ پورا جو پڑا صورت ضرب حیدر
خاک پہ دوسرا پنجہ بھی گرا لیکے سپر

[1] یکایک چمک جانا۔

موت چلائی کہ اب حد وغا کو پہنچا
کیوں نہیں دست درازی کی سزا کو پہنچا

اسکے بعد حضرات عون و محمد فرماتے ہیں۔ کہ ہاں ۶ اور دس بیس کو لیکر تیرا سردار آئے

معرکہ آرائی

کہکے یہ پانوں رکابوں پہ جما کر یک بار
پشت مرکب پہ کھڑے ہو گئے عون جرّار
تان کر ہاتھ کیا سر پہ جو اک قہر کا وار
ہاتھ اوٹھے رہ گئے اور دو ہوا زین پر غدّار
فتح نے چوم لئے ہاتھ اُدھر صفدر کے
دو طرف ٹوٹ کے دو برج گرے خیبر کے

حضرت محمد بھائی کے ہاتھ چوم لیتے ہیں۔ اور دوسرے پہلوان کو جو تماشا دیکھ رہا تھا۔ آواز دیتے ہیں کہ تو مجھ سے مقابلہ کر۔

خوف غالب تھا مگر شرم سے خونخوار بڑھا
ڈھال رو کے ہوئے تانے ہوئے تلوار بڑھا
فن پھکیتی کے دکھاتا ہوا مکار بڑھا
ہٹ گیا مڑ گیا دو بار تو اک یار بڑھا
ڈر کبھی تھا کبھی جرأت تھی دل بدخو میں
سامنے تھا کبھی نامرد کبھی پہلو میں

آخر مقابلہ شروع ہوا۔

ہاں پھرا اے تیغ زباں ضرب کا ہنگام آیا
زد پہ معصوم کے خود دشمن خود کام آیا
دم نہ لے اب کہ دم قتل بدانجام آیا
شور برپا ہو کہ سرکش پہ صمصام آیا
سر بہت کھینچا ہے شعلے نے فرو ہو جائے
اک شقی باقی ہے وہ بھی کہیں دو ہو جائے

معرکہ آرائی

سر کا وار اُس نے لگایا بغضب کر کی غریو
ہٹ گیا داہنی طرف کشورِ جرأت کا خدیو
چوٹ خالی گئی لشکر میں جھکا زین پہ دیو
ہاتھ پورا جو پڑا کھل گیا کافر کا جنیو
تن پہ اُس مست کے یہ بھی ستم ایجاد گرا
منہدم کوہ یہ اک قلعۂ فولاد گرا

دادِ شجاعت

دی صدا کانپ کے مقتل کی زمین نے کہ پناہ
کہکے تکبیر عجب شان سے جھوما وہ ماہ
پڑھ کے فرمانے لگے عون کہ ماشاء اللہ
کس صفائی کا پڑا ہاتھ ستمگار پہ واہ
گرچہ وہ کشتۂ اوّل بھی قوی پیکر تھا
پر[1] یہ اُس سے بھی تن و توش میں افزوں تر تھا

واقعہ نگاری

ناگہاں جم کے دو جانب سے بڑھا پھر لشکر
جا پڑے میمنہ و میسرہ پر وہ صفدر
بیچ میں پا کے جگہ آ جو گئے بانیٔ شر
رہ گئے آہ محمد تو ادھر عون اُدھر
زور کیا پڑ گئے تقدیر کے جب پھیروں میں
موت نے ڈال دیا تفرقہ دو شیروں میں

نقشۂ جنگ

رنگ یہ دیکھ کے ہر سو سے اُمنڈ آئی سپاہ
وہ گھٹا ظلم کی گھنگور وہ رایاتِ سیاہ
دشت میں گرد وہ اُٹھتی تھی کہ خالق کی پناہ
بھائی کو بھائی کی صورت نظر آتی تھی نہ آہ

---

[1] پر لیکن کے معنوں میں اب متروک ہے۔

وہ نہ آسکتے تھے ان تک نہ یہ جاسکتے تھے
وہ ادھر دیکھتے تھے اور یہ ادھر تکتے تھے

یک بیک فرقِ محمد پہ لگی تیغِ ستم خون بہا زور گھٹا پر نہ دلیری ہوئی کم
وہاں سے ڈیوڑھی پسرِ سعد کی تھی چند قدم جان پر کھیل کے بس جا ہی پڑا وہ ضیغم
پیچ تھی جس بات کی وہ کر کے نمودار گرا
مار کر نیمچہ اس خیمہ پہ جرار گرا

چھوٹے بھائی کی دردناک آواز سنکر عون بیقرار ہو گئے۔ اُن کی مدد کے لئے آگے بڑھے ہی تھے۔ کہ یکایک حریفوں کا وار اُن پر بھی چل گیا۔ آپ حضرت علی اکبر کو آواز دیتے ہیں۔

یہ صدا دیکے نقاہت جو بڑھی تیور لائے زخم تیغ و تبر و تیر پیاپے کھائے
قدم پاک رکابوں پہ نہ تھمنے پائے مُنہ کے بل پشت سے گھوڑے کی زمین پر آئے
چوٹ زخموں میں لگی درد سے خاموش ہوئے
گرز اک سر پہ لگا کانپ کے بیہوش ہوئے

جناب امام مع حضرات عباس و علی اکبر بھانجوں کے پاس پہنچتے ہیں

جلد عباس نے شانوں کو ہلا کر یہ کہا نیند کیسی ہے یہ اے لاڈلو میں تم پہ فدا
کس کے زانو پہ سر اسوقت ہو دیکھو تو ذرا وقت غفلت کا نہیں ہوش میں آؤ بیٹا
آنکھ کھولو کہ شہ عرش مقام آئے ہیں
نزع[1] میں کر لو زیارت کہ امام آئے ہیں

[1] نزع۔ آخری دم

حضرت زینب کو اپنے بیٹوں کی موت کا حال معلوم ہوا۔ اس موقع کے متعلق ایک بیت ملاحظہ ہو۔

حال معصوموں کا گو سنکے وہ خاموش ہوئیں
پر جو رقت کو کیا ضبط تو بیہوش ہوئیں

حضرت عارف لکھنوی

اے زبان خوبیٔ تقریر دل آویز دکھا
طوطیٔ نطق کو مجلس میں شکر ریز دکھا
سب کو لطف برش خنجر سرتیز دکھا
صورت معرکۂ دشت غم انگیز دکھا
آئے ہر سمت سے تحسین کی صدا کانوں میں
بات رہ جائے مری آج زبانداںوں میں

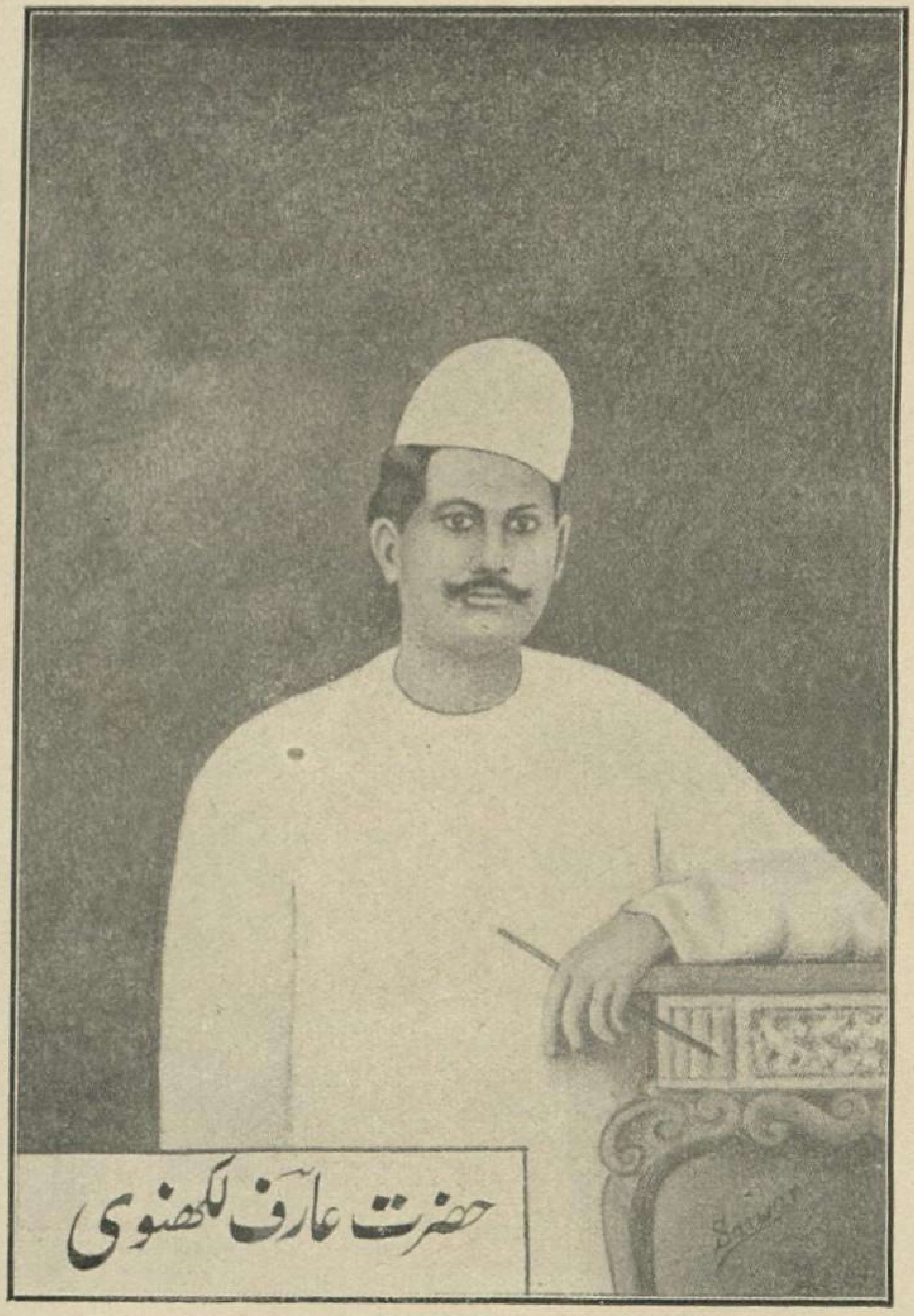
بے محل کوئی نگیں طبع نہ جڑنے پائے
ہو صفائی کوئی مضمون نہ بگڑنے پائے
کوئی مصرع کسی مصرع سے نہ لڑنے پائے[1]
نظر کے سلسلے میں پیچ نہ پڑنے پائے
جس سے مطلب ہے وہ جلدی میں عبارت نہ چھٹے
طبع کی رو میں کہیں لطف سلاست نہ چھٹے

پاک ہو حشو سے ہر بند کا ہو یہ عنواں
نہ ہو قابو میں تو کھولے نہ سخن سنج زباں
عیب رکھا گیا تو کیا ہوئی خوبیٔ بیاں
وہ نگیں ہیچ ہے بدنام ہو جس سے انسان

---

[1] مصرع مصرع سے نہ لڑنے پائے۔ ایک مصرع یا مضمون دوسرے مصرع میں نہ آنے پائے۔

اردو مرکز لاہور



حضرت عارف لکھنوی

ذکر کیا نظم کا جس کی کوئی بنیاد نہیں
بد زمانے میں ہو تو کام کی اولاد نہیں
یا علی قوتِ اعجاز بیانی دیجے کند ہے تیغِ زبان اور روانی دیجے
طبع کمزور کو زورِ ہمدانی دیجے دستِ مداح میں تیغِ صفہانی دیجے
سامنا فوجِ مضامیں سے ہے بیتاب ہوں میں
آپ امداد کو آئیں تو ظفریاب ہوں میں
نظم کی شان تو مضمون کی شوکت بڑھ جائے آسمان سے بھی مرے ذہن کی رفعت بڑھ جائے
شہد سے معنئ شیریں کی حلاوت بڑھ جائے کہیں دریا سے روانی میں طبیعت بڑھ جائے
قلزمِ فکر سے اک اک درِ خوش آب ملے
ہاتھ پڑتے ہی مجھے گوہرِ نایاب ملے

جلوۂ سحر

رَن میں جب آمدِ صبحِ شبِ عاشور ہوئی تیرگی شرم سے ظلمات میں مستور ہوئی
صبح کے فیض سے جنگل کی زمیں طور ہوئی خلعتِ نور ملی لیلئ شب حور ہوئی
وہ سماں اور وہ نورِ سحری کا جلوہ
نظر آنے لگا ہر شے میں پری کا جلوہ
کچھ فلک پر جو نہی پائے گئے آثارِ سحر آمدِ خسروِ خاور کی ہوئی گرم خبر
تھا جو معلوم کہ در پیش ہے دن بھر کا سفر باندھ لی شمس نے بھی نور کی چادر سے کمر

لے ۔ لیلئ شب حور ہوئی ۔ رات کی تاریکی دن کے اجالے میں تبدیل ہو گئی ۔

عکسِ اشجار سے پیدا تھی عجیب جلوہ گری
نظر آتا تھا ہر اک سنگ عقیقِ شجری
اہلِ افلاک نے دیکھا جو یہ رنگ اور یہ سماں   دامنِ ابر میں چھپنے کو گئی کاہکشاں
سُن لیا خود جو شہِ شرق کی آمد کا بیاں   جا کے مغرب میں ہوا خسروِ انجم پنہاں
سیر کرنے کے لئے بادِ بہاری نکلی
دھوم سے خسروِ خاور کی سواری نکلی
منتظرِ صبح کے بیٹھے تھے جو مرغانِ سحر   زمزمہ[1] کرنے لگے دیکھتے ہی شانِ سحر
صاف آواز عنادل تھی کہ قربانِ سحر   سو زباں سے گُلِ صد برگ ثنا خوانِ سحر
نور وہ تھا کہ ہر اک جن و ملک دیکھتا تھا
شانِ ہر ذرّے کی جھک جھک کے فلک دیکھتا تھا
اپنی صورت پہ حسینانِ چمن کا وہ غُرور   کوئی نزدیک کسی سے تو کسی سے کوئی دُور
انہیں درختوں کے متعلق کہتے ہیں۔
بخطِ صورتِ نرگس نگراں تھا کوئی
شرم سے آڑ میں پتّوں کی نہاں تھا کوئی
طرفہ اُس صبح کو تھی باغِ جناں کی رونق   تھا ہر اک طائرِ حق گو کی زباں پر حق حق
صورتِ ابرِ تنک چرخ پہ کم کم وہ شفق   گرمیِ حُسن سے ہر عارضِ گل پر وہ عرق
آتشِ گل سے عنادل کے جگر جلتے تھے
قطرے شبنم کے پسینے کی طرح ڈھلتے تھے

---

[1] زمزمہ کرنا۔ حمد خدا کے ترانے گانا۔

عام تھا خلق پہ لطف و کرمِ ربّانی آبشاروں سے رواں چار طرف تھا پانی
چرخِ اخضر تھا جو وہ سبزۂ کوہستانی گلِ خورشید پہ ہنستے تھے گلِ بستانی
مضطرب تھیں جو ہوائیں دلِ شیدا کی طرح
موجیں سبزے میں نظر آتی تھیں دریا کی طرح
مست کی طرح کھڑے جھومتے تھے تازہ نہال خوش پڑے پھرتے تھے مرغانِ چمن کھولے بال
مختصر تھا چمنستانِ جہاں کا یہ حال اب رقم کرتا ہوں گلزارِ نبی[1] کا احوال
بے کھلے شاخ سے اک ایک کلی ٹوٹ گئی
دوپہر دن میں جسے بادِ خزاں لوٹ گئی

قحطِ آب

سوکھتا جاتا تھا اجسامِ مبارک میں لہو پانی ممکن تھا نہ اتنا جو کرے کوئی وضو
خشک رکھے ہوئے تھے جام و اباریقِ وضو تھے جگر خشک کہ بہتے تھے بہ مشکل آنسو
تیسرا دن تھا کہ آگاہ نہ تھے پانی سے
رنگ سنولا گئے[2] تھے پیاس کی طغیانی سے
فضّہ آ آ کے قریبِ پردے کے دیتی تھی خبر اب سکینہ ہوئی غش پیاس سے اور اب اصغر
ہائے یہ سوزِ عطش اور یہ ننھا سا جگر دودھ بھی خشک ہے کس طرح نہ روئے مادر
کھول دے آنکھ ابھی حلق اگر تر ہو جائے
جان بچ جائے جو اک جام میسر ہو جائے

---

[1] گلزارِ نبی - آلِ نبی - [2] رنگ سنولانا - رنگ سیاہ پڑ جانا

سنکے فضہ سے حبیب ابنِ مظاہر یہ سخن آئے اس جا کہ جہاں بیٹھے تھے سلطانِ زمن
عرض کی رُوح پہ اسوقت ہے ایذاؤ محن پیاس کے مارے ہیں غش خیمہ میں غنچہ دہن
قلب بیتاب ہے اطفال کی بیتابی سے
جان معصوموں کی ہونٹوں پہ ہے[1] بے آبی سے

عرض یہ خادمِ دیرینہ کی ہے یا مولا کہ عنایت ہو مجھے نہر پہ جانے کی رضا
کچھ تردد نہیں لاکھوں ہیں تو ہوں اہلِ جفا یا تصدّق ہوا یا نہر سے پانی لایا
بولے شہ گرچہ صغیروں پہ تعب پیاس کا ہے
بھائی یہ کام تو حِصّہ مرے عباس کا ہے

پھر حبیب ابنِ مظاہر سے یہ کہنے لگے شاہ گو ہے پیری پہ مجھے تم سے ہی قوت واللہ
اس کو کہتے ہیں وفا یہ ہے محبّت کا نباہ آجتک ہے مری جانب وہی الفت کی نگاہ
دوست اسطرح کے کب خلق میں ہاتھ آتے ہیں
خاتمہ ہے کہ فدا مجھ پہ ہوئے جاتے ہیں

اس کے بعد امام خیمہ میں جاتے ہیں۔ لکھتے ہیں :-

کی جو زینب نے یکایک رُخِ سرور پہ نظر فرطِ اُلفت سے کھڑی ہو گئیں با دیدۂ تر
عرض کی پونچھ کے اشکوں کو بحالِ مضطر کس قدر رنج کا ہے رُخ پہ نمودار اثر
گل پژمردہ کی صورت رُخِ زیبا کیوں ہے
خیر ہے اس قدر اترا ہوا چہرا کیوں ہے

---

[1] جان ہونٹوں پہ ہے۔ موت قریب ہے۔

امام جواب میں فرماتے ہیں۔

کل کا معلوم ہوا تم کو بخوبی سب حال　　مہلت اک رات کی پائی بصد اندوہ و ملال
میں نے ہر چند یہ چاہا کہ نہ ہو جنگ و جدال　　پر مقدر سے ہے مجبور ید اللہ کا حال
لے کے پیغام لڑائی کا صفیر آئے ہیں
اب تلک صبح سے دو مرتبہ تیر آئے ہیں

مانگتے تھے ابھی میداں کی رضا مجھ سے حبیب　　ایسے جرار کسی کو کہیں ہوتے ہیں نصیب
تیر دو ایک گرے جب مرے زانو کے قریب　　کیا کہوں غیظ سے اُس شیر کی حالت تھی عجیب
کوئی بپھرے ہوئے ضرغام کو کیا ٹوک سکے
دوست مجھ سا نہ ہوا اُن کا نہ انہیں روک سکے

دعا

کانپتے ہاتھ سوئے چرخ اُٹھا کر بہ ادب　　عرض کرنے لگیں درگاہِ خدا میں زینب
تجھ پہ روشن ہے کہ جس حال میں گزری یہ شب　　تین دن سے ہے غریبوں پہ بہت رنج و تعب
صبح سے خوف و تردد میں یہ وقت آیا ہے
بوند پانی شب ہفتم سے نہیں پایا ہے

لائی ہے گھیر کے اس بن میں ہمیں تقدیر　　قتل سادات کی ہے اہلِ دغا میں تدبیر
متصل کتنے سے چلی آتی ہے واں فوج کثیر　　یاں سوا تیرے نہیں کوئی مددگار و نصیر
بیکسوں کا ہے پرستار و مددگار تو ہی
اپنے بندوں کا ہے ہر حال میں مختار تو ہی

ـــــ
سے میدانِ کربلا۔

فضل سے تیرے بچے آتش سوزاں سے خلیلؑ[۱]   تو بلاؤں میں ہوا یونسؑ[۲] و عیسےٰؑ[۳] کا کفیل

تو نے کی نوحؑ[۴] کو طوفاں سے بچانے کی سبیل   میری کشتی بھی بچا غرق سے اے رب جلیل

آنیوالی ہے بلا جو اُسے رد کر یارب

میرے مظلوم برادر کی مدد کر یارب

ہاتھ اُٹھا کر جو یہ کی زینب مضطر نے دُعا   شور آمین کا ہوا اہل حرم میں برپا

گو کہ صابر تھے مگر قلب پہ قابو نہ رہا   روئے بیتابیٔ خواہر پہ امام دوسرا

سب جو اس طرح سے رو رو کے پکارتے تھے

ہاتھ اُٹھائے ہوئے بچے بھی دعا کرتے تھے

دے کے عباس علمدار کو لشکر کا نشان   جلد خیمہ سے برآمد ہوئے شاہ دوجہان

آیۂ فتح وظفر پڑھ کے بصد عزت و شان   جلوہ فرما ہوئے شبدیز پہ سلطان زمان

جانیں آقا پہ فدا کرنے کو تیار ہوئے

یا علی کہہ کے سب انصار بھی تیار ہوئے

---

۱ خلیل لقب ابراہیم علیہ السلام کا۔ نمرود کے زمانہ شاہی میں ایک پیغمبر گزرے ہیں نمرود نے آپ کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال دیا تھا۔ مگر رحمت الٰہی سے یہ آگ گلزار بن گئی تھی۔ ۲ یونس۔ ایک اور پیغمبر گزرے ہیں۔ آپ کو کچھ عرصہ شکم ماہی میں رہنا پڑا تھا

۳ عیسےٰ۔ یہ بھی ایک پیغمبر تھے۔ ان کا زمانہ رسالت حضرت موسےٰ کے بعد کا زمانہ ہے۔ آپ اپنے دم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

۴ نوح۔ ایک پیغمبر کا نام ہے۔ آپ کے زمانے میں ایک بہت بڑا طوفان آیا تھا۔

شورہ فوجِ مخالف میں یہ برپا ہے اِدھر ہو چکا ہے اُدھر آراستہ دیں کا لشکر
ایک صف میں ہیں عزیزانِ شہ جنّ و بشر دوسری صف میں رفیقانِ امامِ اطہر
پیچھے اطفال ہیں تیغوں کو بہم تولے ہوئے
آگے ہیں حضرتِ عباس علم کھولے ہوئے

رفقائے حضرتِ امام میدانِ جنگ میں اُترتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

ایک کے بعد رواں ہوتا تھا یوں ایک دلیر غیظ میں جیسے جھپٹ پڑتا ہے ٹوکا ہوا شیر
تھا جو منظور کہ مرنے میں نہ زنہار ہو دیر نعمتِ اجرِ شہادت سے ہوئے بھوک میں سیر

انصارِ امام کے بعد حضرت مسلم کے صاحبزادے لباسِ شہادت میں ملبوس ہو کر خیمہ میں آتے ہیں۔ اب زینب کے جگر گوشوں کی باری ہے۔ دونوں بھائی امام سے رضائے جنگ مانگتے ہیں۔ امام پہلے تو انکار کر دیتے ہیں۔ مگر پھر بھانجوں کی ضد سے مجبور ہو کر اچھا کہہ دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں

روئے قدموں سے رضا لے کے جو وہ گل رخسار گرد پھرنے لگے حضرت کے بصد عز و وقار
آگیا بھانجوں پہ حضرتِ شبیر کو پیار روئے چھاتی سے لگا کر صفتِ ابر بہار[1]
رخصت آخر اُنہیں با دیدۂ خونبار کیا
چومیں پیشانیاں اور گھوڑوں پہ اسوار کیا

ماں سے مل آؤ یہ فرما چکے تھے سرور باتیں کرتے ہوئے آپس میں گئے ڈیوڑھی پر
دی ہر اک بی بی کو واں جا کے فضہ نے خبر ہے غضب جاتے ہیں اب میری خوزادی کے پسر

[1] ابر بہار کی طرح رونا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونا۔

عجلتِ جنگ ہو مرنے کی تمنا ہے اُنہیں
سب سے ملنے کے لئے شاہ نے بھیجا ہے اُنہیں

حضراتِ عون و محمد اہلِ حرم سے ملکر میدانِ جنگ کو روانہ ہوتے ہیں

واقعہ نگاری

ملکے سب بی بیوں سے دونوں گُلِ اندام چلے ۔۔۔ نام کے شوق میں مرنے کو نکو نام چلے
سب کو کرتے ہوئے تسلیم وہ گُلِ خام چلے ۔۔۔ مُڑ کے دیکھا کبھی ماں کو کبھی دو گام چلے
یوں فرس اُن کو سوئے دشتِ وغا لیکے چلے
جیسے فرمانِ الٰہی کو قضا لے کے چلے

ساقیا ہاں مئے جُرأت کا پلا دے ساغر ۔۔۔ بھر کے اک بادۂ تسنیم سے لا دے ساغر
واسطہ ساقیٔ کوثر کا اُٹھا دے ساغر ۔۔۔ خود ہی بڑھ کر مرے ہونٹوں سے ملا دے ساغر
جوشِ جرأت ہے سرِ کلکِ قلم کرتا ہوں
جنگ حیدر کے نواسوں کی رقم کرتا ہوں

ایک دم کھینچ لئے تیغے دونوں نے بہم ۔۔۔ جا پڑے فوج پہ اک جست میں دونوں ضیغم
آستینوں کو اُلٹ کر جو کیا اُن کو علم ۔۔۔ خوں برسنے لگا[1] ہونے لگے سر تن سے قلم
صف کو پامال کیا اور پرے توڑ دیئے
پہلے ہی حملہ میں رو داروں کے منہ موڑ دیئے[2]

[1] خون برسنے لگا۔ قتلِ عام شروع ہوگیا۔ [2] منہ موڑ دیئے۔ مراد ترکی تمام کر دی۔

دونوں گھوڑوں کی تعریف میں یوں مبالغہ شاعرانہ سے کام لیتے ہیں۔

برقِ جولاں وہ اگر تھا تو یہ تھا ابرِ بہار	موجِ صرصر وہ اگر تھا تو یہ رفرف کردار
اس میں آہو کا چلن کبک کی اسمیں رفتار	قطرہ زن دور میں گر وہ تو یہ نجمِ سیّار
اوج پر جانے میں وہ بادِ صبا طیر یہ تھا
وہ جہاں گرد اگر تھا تو فلک سیر یہ تھا

تھا روانی میں جو وہ آب یہ سرعت میں سحاب	پاسکے برق و ہوا گردِ قدم[1] کو کیا تاب
ترکِ تازی میں وہ بے مثل یہ روش میں نایاب	پھول پانی پہ سُم اُسکے تو قدم اُسکے حباب[2]
گشت میں تھا جو وہ یکتا تو یہ چھل بل میں وحید
اس کی پیرو تھی جو بجلی تو ہوا اسکی مرید[3]

زور بیاں

خوف سے خم تھے بلندی وہ نشانوں میں نہ تھی	آب تیغوں میں نہ تھی تاب سنانوں میں نہ تھی
زور وہ تیروں میں قوت وہ کمانوں میں نہ تھی	ذکر پیروں کا ہے کیا جان[4] جوانوں میں نہ تھی
چستی اسواروں میں گھوڑوں کی تگ و دو نہ رہی
موج زرہوں میں تو چار آئنوں میں ضو نہ رہی

تھلکہ ہو گیا برپا یہ جب ادھر آ پہنچے	جس نے دیکھا یہ اُدھر مثلِ نظر جا پہنچے
کبھی ریتی پہ لڑے گہ سوئے دریا پہنچے	چار سو رن میں یہ شیرِ صفتِ ہیجا پہنچے

۱ گردِ قدم کو پا سکے۔ اس تک پہنچ سکے ۲ پھول پانی پہ سم اُن کے۔ اُن کے سُم پھولوں کی طرح ہلکے تھے اور پانی میں ڈوب نہ سکتے تھے۔ ۳ ہوا مرید تھی۔ ہوا کی طرح تیز تھا
۴ جان۔ مراد طاقت۔

پیاس میں دیر تلک کی جو ہزاروں نے جدال سنسنانے لگے دل غیر ہوا بچوں کا حال
عون سے تھم کے محمدؐ نے کیا تب یہ مقال بھائی اب روح پہ ہے پیاس کی تکلیف کمال

پانی پینے کا تو حاشا جو کبھی جو دھیان آجائے

ہاتھ منہ دھولیں جو دریا پہ تو جان آجائے

نرغۂ اعدا

کر رہے تھے یہی باتیں ابھی وہ غنچہ دہن پیش و پس آ گئی ناگاہ سیاہ دشمن
تیغ زن داہنے سے بائیں سے بڑھے تیر فگن چار جانب سے گھرے کانٹوں میں وہ رشکِ چمن

جگر و قلب میں پیکانِ ستم گڑنے لگے

پھول سے جسم پہ تلواروں کے پھل پڑنے لگے

ہیں گلِ تر کی طرح دینۂ تر بھی زخمی چاند سے ماتھے بھی مجروح ہیں سر بھی زخمی
بازو و سینہ و پہلو و کمر بھی زخمی دل بھی ہیں تیر سے پہلو سے جگر بھی زخمی

ڈگمگا جاتے ہیں جس وقت فرس بڑھتے ہیں

پانچ ہٹتے ہیں جو حربے لئے دس بڑھتے ہیں

دونوں بھائی امام عالیجاہ کو مدد کیلئے پکارتے ہیں۔

سُنکے بچوں کی صدا اکبرِ ذیجاہ چلے لے کے شمشیر و سپر قاسم نوشاہ چلے
کھینچ کر تیغ علمدارِ حق آگاہ چلے لڑکھڑاتے ہوئے مقتل کی طرف شاہ چلے

ہمارے ہستی کا چمن چھوڑتے دیکھا اُن کو

ریگِ تفتیدہ پہ دم توڑتے دیکھا اُن کو

---

۱ تفتیدہ۔ بمعنی گرم

شاہ سے اکبر و عباس نے رو کر یہ کہا　　اب کوئی آن[1] کے مہماں ہیں یہ ماہ لقا
لے چلیں گھر میں جو ہو حکم امام والا　　سوچ کر حضرت شبیّر یہ بولے اچھّا
عون کو گود میں عباس علی لینے لگے
اور چھوٹے کو ہو اسبط نبی دینے لگے

آثار موت

متبسّم ہوئے منہ دیکھ کے وہ غنچہ دہاں　　دفعتہً ہونے لگے موت کے آثار عیاں
چند قطرے ہوئے ماتھوں سے پسینے کے رواں　　کج ہوئیں گردنیں رنگت ہوئی چہروں کی دھواں
کر کے آپس میں کچھ آنکھوں سے اشارے دونوں
مسکراتے ہوئے جنت کو سدھارے دونوں

پیارے صاحب رشید لکھنوی

صبحِ عاشور کی رخصت کا جو ساماں ہوا　　مستعدِ مرگ پہ اک رات کا مہماں ہوا
آسماں کا محل آباد تھا ویراں ہوا　　کہ ستاروں کا جو مجمع تھا پریشاں ہوا
تھی جو دو چار گھڑی خلق میں مہماں شبنم
روتی تھی منہ پہ دھر رات کا داماں شبنم

[1] کوئی آن کے مہمان - قریب الموت

وہاں[1] کے سردار صفیں باندھ کے دم لیکے بڑھے
اپنے ہمراہ خدم اور حشم لے کے بڑھے
اس طرف سے جو نشاں اہل ستم لیکے بڑھے
یاں سے عباس علمدار علم لے کے بڑھے
برچھیاں اسطرف ارباب جفا ایں اٹھیں
ہاں بھی تکبیر ہوئی گھوڑ ونگی بھاگیں اٹھیں

شامی آمادہ ہوئے جنگ پہ تڑکے تڑکے
صاف ہونے لگے جو راستے تھے بیہڑ کے
طبل پر چوب لگی زور سے گھوڑی بہڑکے
غیض میں آکے جوانوں سے بڑھے سب لڑکے
جن میں چشمک تھی بہم اُن میں نظر ملنے لگی
شور قرنا و جلاجل سے زمیں ہلنے لگی

جنگ آغاز ہوئی نیک سیر کام آئے
جا کے انصار نے کٹوا دئے سر کام آئے
تھوڑے عرصہ میں بہت تشنہ جگر کام آئے
لو قیامت ہوئی مسلم کے پسر کام آئے
کوچ کر جاتے ہیں دنیا سے گذرنے والے
موت کی راہ نہیں دیکھتے مرنے والے

ادھر حضرت زینب صاحبزادوں سے ناراض ہیں۔ کہ وہ مسلم کے بیٹوں سے پہلے سرخرو کیوں نہیں ہوئے حضرات عون و محمد جواب میں کہتے ہیں۔ کہ ہمیں امام نے اجازت نہیں دی آپ ارشاد کرتی ہیں۔

وارث حیدر و جعفر ہو تمہیں زیبا تھا
مجھ کو حیرت ہے یہ کیا ہو گیا اور وہ کیا تھا
آج کو مر گئے ہوتے تو بہت اچھا تھا
تم نے ماموں سے کہا ماں سے بھی کچھ پوچھا تھا
من[2] چلے دوسروں کے کہنے سے کب لڑتے ہیں
دیر ہوتی ہے تو خود فوج پہ جا پڑتے ہیں

[1] واں لشکر شام کی طرف اشارہ ہے۔ [2] من چلا۔ دل کا بہادر۔

پھر علم کے متعلق طنز یہ کہا۔

ایسے عہدے کیلیئے چاہیئے رودار جواں　　　دی ہو خالق نے وجاہت جسے در تاب و تواں
ادب آموزِ وفا وضع میں ہو فخرِ جہاں　　　جان سے اپنی عزیز اُس کو زیادہ ہو نشاں
بوجھ لیکر کہیں لڑکوں سے قدم اُٹھتا ہے
ہاتھ وہ اور ہیں جن سے یہ علم اُٹھتا ہے

عرض کی دونوں نے اسوقت ہیں غصہ میں حضور　　　غضب فاطمہ و غیض علی کا ہے ظہور
کہہ سکیں کچھ یہ ہمارا ہے بھلا کیا مقدور　　　پوچھیئے قبلہ و کعبہ سے جو پیش آئے اُمور
چارہ مافات کا جز آہ و بکا کیا کیجے
اپنی تقدیر میں جو تھا وہ ہوا کیا کیجے

سُن کے بیٹوں کی یہ تقریر بہت پیار آیا　　　دونوں جو رونے لگے جوش لہو نے کھایا
ہاتھ پھیلا کے کلیجہ سے اُنہیں لپٹایا　　　اشک آنکھوں سے بہے چوم کے منہ فرمایا
غیض کا نام نہیں رنج سے شرماتی ہوں
تمنے جانا مجھے غصہ ہے میں سمجھاتی ہوں

اتنے میں امام خیمہ میں داخل ہوتے ہیں حضرات عون و محمد اجازت جنگ طلب کرتے ہیں۔ امام نہیں مانتے۔ مگر جب حضرت زینب بھی سفارش کرتی ہیں۔ تو آپ مجبور ہو کر اچھا کہ دیتے ہیں۔

اذن پا کر ہوئے خندان گُل و ریحانِ علی　　　ہٹ کے گھوڑوں پہ چڑھے شیرِ نیستانِ علی
دلبرِ فاطمہ و لبندِ نبی جانِ علی　　　دبدبہ جعفرِ طیار کا اور شانِ علی

لہ رو دار۔ خوب صورت۔　　　بوچھار ہوئی۔ بارش ہوئی۔

رن سے تا چرخ صدائے دف و قرنا پہنچی
دفعتہً فوج میں آنے کی خبر جا پہنچی

زورِ بیان

باگیں اُٹھتے ہی روانہ ہوئے گھوڑے اک بار — ہر کماں زہ ہوئی تیروں کی ہوئی اک بوچھار
نقشِ پا بجھ گئے لیکن نہ رُکے یہ رہوار — نیزے لے لے کے بڑھے فوجِ ستمگر کے سوار
گل کھلے لاکھ مگر ان کی سواری نہ رُکی
نکلیں شاخیں تو بہت بادِ بہاری نہ رُکی

لطفِ تمثیلات

ان کی رفتار ہے خنجر کی روانی کی طرح — جلد کرتے ہیں گذر عالمِ فانی کی طرح
پھر کے آتے ہیں زلیخا[۱] کی جوانی کی طرح — صاف ہر رنگ میں مل جاتے ہیں پانی کی طرح

معرکہ آرائی

ہٹ گئے گرد ہوئے فوج سے دو شیر دوچار — جم کے کسنے لگے باگوں وہ دونو جرّار
پاؤں پھیلا کے جمے[۲] دشتِ وغا میں رہوار — نیمچے کھینچ کے بڑھے ہو گئے پوری تلوار
سر پہ اعدا کے جو بیٹھے[۳] تو بلا خیز ہوئے
کاٹ کر سنگ دلوں کو وہ سوا تیز ہوئے

---

[۱] زلیخا (مصر کی ایک ملکہ) کے متعلق مشہور ہے کہ اسے بڑھاپے میں دوبارہ جوانی کی دولت نصیب ہو گئی تھی۔
[۲] جمنا۔ ایک جگہ رک جانا۔ [۳] سر پر بیٹھے۔ سر پر چڑھے

جب کیے وار تو سب فوجِ ستمگار چلی ساتھ ہی اُن کے بھی شمشیرِ شرربار چلی
کٹ گئے سر صفِ لشکر طرفِ نار چلی صفِ آخر میں ہوا شور کہ تلوار چلی
ضرب وہ تھی کہ جگرداروں کے دل توڑ دیئے
دو جواں بچوں نے دو لاکھ کے منہ موڑ دیئے[1]

نیچے اُٹھے صفِ لشکر کہیں بیٹھ گئی[2] اُٹھے جب ظلم کی دیوار وہیں بیٹھ گئی[3]
جب دبا کر چلے سب فوجِ لعیں بیٹھ گئی دیا لنگرِ جور کانوں پہ زمیں بیٹھ گئی
دی صدا عون نے بھائی کو کہ ہاں اور بڑھو
دیکھو یہ بھاگ کے جاتے ہیں کہاں اور بڑھو

رن میں زخمی تھا ہر اک بانئ شر کا پہلو رہا سالم نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا پہلو
دل کا پہلو تھا نہ خالی نہ جگر کا پہلو جنگ میں چھوڑ گیا باپ پسر کا پہلو[4]
تھی ہر اک شخص کے سر پر جو اجل آئی ہوئی
جسم میں پھر رہی تھی رُوح بھی گھبرائی ہوئی

دونوں کہتے ہیں نہو کوئی جدھر ہم جائیں ابھی سر کاویں اگر لاکھ پرے جم جائیں
کاٹیں خود ہاتھ سے ہم پاؤں اگر تھم جائیں گر کے تڑپیں تو سوئے لشکرِ ظلم جائیں
کوزے دریا ہیں جو پیر اک تو موجیں کیسی
ہم پہاڑوں کو ہٹا دیتے ہیں فوجیں کیسی

۱؎ منہ موڑ دیے۔ شکست فاش دی۔ ۲؎ صف بیٹھ جانا۔ صف پراگندہ ہونا۔
۳؎ دیوار بیٹھ گئی۔ دیوار گر کر زمین کے ساتھ ہموار ہو گئی۔ ۴؎ پہلو چھوڑ دینا۔ ساتھ چھوڑ دینا۔

ظلم کا باغ ہے تاراج کہ ہے فوج گراں
شاخیں بے برگ ہیں نیزوں سے ثمر ہوتا ہے عیاں

پھول سپروں کے گرے پڑتے ہیں ہے فصل خزاں
خون کے تھالے ہیں اور نہریں لہو کی ہیں رواں

ٹکڑے ڈھالوں کے پریشان سے گل بوٹے ہیں
غنچے پیکانوں کے اور تیغوں کے پھل ٹوٹے ہیں

معرکہ آرائی

جب بڑھے زور دکھانیکو صفیں سرکائیں
جب چلے ٹھوکریں افواج لعیں نے کھائیں

جب چلے نیچے اعدا نے شکستیں پائیں
جب کھنچے روحیں مع تار نفس کھنچ آئیں

جب لڑے دم لیا لشکر تہ و بالا کر کے
جب پھرے فوج ستمگار کو پسپا کر کے

آگیا حشر جو لشکر پہ وہ جرار چلے
نیچے کر کے علم فوج کے اُس پار چلے

کہہ کے یہ جان و دل حیدر کرار چلے
حشر تک نام رہے آج وہ تلوار چلے

فوجیں ہٹ جاتی ہیں جب گرم وغا ہوتے ہیں
مرنے والوں کے ارادے ہی جدا ہوتے ہیں

زور بیاں

سب نشاں اور پرے اشرار نے کھولے باندھے
پرچم ایک ایک علمدار نے کھولے باندھے

ڈورے تلوار کے کفار نے کھولے باندھے
پٹکے افواج ستمگار نے کھولے باندھے

بیم و امید میں سب فوج چلی جاتی ہے
کبھی بھاگو کبھی ٹھہرو کی صدا آتی ہے

اس کے بعد حضرت زینب کے متعلق کہتے ہیں۔

پاس پردے کے تھے عباس لئے تیغ و علم   چھوٹے بھائی سے لگی پوچھنے وہ کشتۂ غم
سچ کہو کیسے لڑے تم کو مرے سر کی قسم   کامل اس فن میں ہو تم بعدِ شہنشاہِ اُمم
جنگ میں ساتھ رہے غالبِ ہر غالب کے
تم ہو فرزند علی ابنِ ابی طالب کے

عرض کی آپ کے قدموں کی قسم خوب لڑے   جنگ میں مان گئے اُن کو جو نامی تھے بڑے
جس جگہ پر یہ ذرا جم کے لڑے رَن ہی پڑے   جب سے ابتک نہ نشاں لشکرِ اعدا کے گڑے
فوج سب شام و رے و روم کی غارت کر دی
آج تو آپ کے شیروں نے قیامت کر دی

محاصرۂ اعدا

ابھی کرتے تھے یہ باتیں وہ علی کے دلدار   شیر زخمی ہوئے ہر سمت ہوئی رن میں پکار
گھوڑے دوڑا کے چلے چار طرف سے اسوار   دفعتہً ایک جگہ آگئی فوجِ اشرار
گھوڑے آپس میں ملائے تھے کہ غش آتا تھا
ایک کو ایک سنبھالے ہوئے تھراتا تھا

بولے یہ شہ کو صدا دیجے یہ بولے کہ نہیں   کچھ ادب ہو نہ سکے گا وہ جب آئینگے قریں
ہم ہوں گھوڑوں پہ پیادہ ہوں شہِ عرش نشیں   وقت نزدیک ہے اب گرتے ہیں بالائے زمیں

دونوں بھائی زخمی ہو کر فرشِ خاک پر گر پڑتے ہیں

۵

دیکھ کر شاہِ اُمم نے کہا اِنّا لِلّٰہ   اُٹھے روتے ہوئے کرسی سے شہِ عرش پناہ
قاسم و اکبر و عباس چلے ہمرہِ شاہ   غم تھا ایسا کہ نظر آپ کو آتی تھی نہ راہ

امام عالی مقام مظلوم بھائیوں کے پاس پہنچتے ہیں ۔

گلِ زہرا[1] کی دماغوں میں جو پہنچی خوشبو مسکرانے لگے ہوش آتے ہی دونوں مہرو
پیار کرنے لگے جھک جھک کے شاہ خوش خو ایسی فرحت ہوئی دل کو نکل آئے آنسو
رو کے ارشاد کیا شاہ نے کیوں روتے ہو
حق بجانب ہو کہ مادر سے جدا ہوتے ہو ۔

میر صفدر علی صفدر

زینب کے لاڈلے ہوئے جب عازمِ وغا تسلیم آخری کو جب جھکے دونوں مہ لقا
حسرت سے ماں کو دیکھ کے میداں کا رُخ کیا فرطِ قلق سے ماں نے کلیجہ پکڑ لیا
بُرجِ خیام سے جو دو اختر نکل پڑے
غل تھا کہ درجِ نور سے گوہر نکل پڑے
در پر سجے سجائے کھڑے تھے جو راہوار حضرت نے لیکے گود میں اُن کو کیا سوار
قاسم یہ بولے داہنے بائیں سے ہوشیار اکبر پکارے جاؤ نگہبان کردگار

[1] گلِ زہرا ۔ حضرت امام حسین مراد ہیں ۔

عباس نے کہا کہ نظر چار سو رہے
تلوار چلتی پھرتی سپر روبرو رہے
یکتا یہ دونوں رخش ہوئے روزگار ہیں	وہ موج آب ہیں تو یہ نکہت بہار ہیں
وہ قافؔ میں پری تو یہ آہوئے تتار ہیں	دریا میں وہ نہنگ یہ ضیغم کچھار ہیں
گردش میں یہ قمر ہے تو وہ آفتاب ہے
آمد میں ہے وہ برقِ طپاں یہ سحاب ہے
بس ہاتھ میں خوزادوں نے باگیں جو انکی چست	رن کو چلے وہ شیر سے سج دھج کئے درست

گھوڑے رواں تھے ناز سے کبکِ دری کیطرح	ظلّ خدا تھا فرق پہ چترِ زری کیطرح
اسی سلسلہ بیانمیں کہتے ہیں
صدقے سروں کے ہوتی تھی حشمت قدم قدم	قدموں کے بوسے لیتی تھی شوکت قدم قدم
جھک کر سلام کرتی تھی نصرت قدم قدم	اور چومتی تھی ہاتھوں کو جرأت قدم قدم
اجلال تھا جلو میں جو رونق لئے ہوئے
اقبال پیش پیش تھا بیرق لئے ہوئے
لشکر کا حال یہ ہے کہ گرتی ہے صف پہ صف	ہر صف میں ہے یہ شور کہ ہم سب ہوئے تلف
دو شیر بپھرے آتے ہیں خیمے سے اس طرف	غصے سے سرخ آنکھیں ہیں منہ میں بھرا ہے کف
اک دم میں فوج و طبل و علم کا نشاں نہیں
نازل خدا کا قہر ہوا اب اماں نہیں

لہ قاف - ایک پہاڑ کا نام ہے

دریا میں موج موج تلاطم ہے آشکار — مچھلی ہے زیرِ آب مگر جاں ہے بیقرار
بیساختہ نہنگ اُچھلتے ہیں بار بار — ہوتا ہے آب آب صدف ہے جگر فگار
اندھیر دیکھ کر یہ خضرِ کائنات میں
چھپ بیٹھے جا کے چشمۂ آبحیات میں

پہنچے زمیں پہ رن کی جو وہ آسماں جناب — ہیبت سے بڑھ گیا دلِ اعدا میں اضطراب
کچھ بھاگے کچھ گرے کوئی ڈوبا میانِ آب — بعضوں نے جان بچکے اُن سے کیا خطاب
حمزہ ہیں آپ یا کہ ہیں جعفر بتائیے
یا ہیں جنابِ حیدر و شبّر بتائیے

فرمایا ہنس کے عمِّ پیمبر نہیں ہیں ہم — جعفر کے ورثہ دار ہیں جعفر نہیں ہیں ہم
حیدر کے ہم نواسے ہیں حیدر نہیں ہیں ہم — شبّر ہمارے ماموں ہیں شبّر نہیں ہیں ہم
ہم فخرِ انبیا کی نواسی[۱] کے لال ہیں
اور جاں نثارِ سید عالی خصال ہیں

نے نے غلط غلط ہے یہ تھا فخر کا کلام — اکبر پسر ہیں اُن کے ہم اکبر کے ہیں غلام
پر کہتے ہیں یہ تم سے کہ اے ساکنانِ شام — دل میں یہ نہ سمجھیو کہ لشکر ہوا تمام
چڑھ چڑھ کے منہ پہ آتے ہو دیکھو بھلا نہیں
شیروں سے خالی بیشۂ شیرِ خدا نہیں

فضلِ خدا سے باقی ہیں وہ شیر صف شکن — ہلتے ہیں جن کے نام سے رُوئیں تنونکی تن
قیصر سے باج لیتے ہیں رستم سے بڑھ کر رن — قاسم شجاعِ عہد جگر گوشۂ حسن

۱؎ یعنی حضرت زینب بنت فاطمہ دختر پیغمبر اسلام۔

گر غیظ میں یہ تیغ کو کھینچیں نیام سے
تم یاں سے اور یزیدِ لعین بھاگے شام سے

ضرغامِ[له] بیشۂ اسدِ شیرِ کبریا سیفِ الٰہ بازوئے شاہنشہِ ھُدا
زور آور و بہادر و جرار و باوفا عباسِ حاملِ علمِ لشکرِ خُدا

غصّے سے اُس جری کی جو تیوری پہ بل پڑے
دیکھے جو شیر کو تو کلیجہ نکل پڑے

جانِ جہاں رسولِ جمال و فرشتہ خو گلدستۂ ریاضِ محمد کی رنگ و بُو
ہمشکلِ مصطفےٰ دِل و جانِ شہِ نکو رستم کی کیا مجال جو ہوان کے رُوبرو

گر طیش میں عَلَم وہ حسام دو سر کریں
دو ٹکڑے آفتاب و قمر کی سپر کریں

ہم کو تو ان شجاعوں سے نسبت بھلا ہے کیا لیکن یہ تم سے کہتے ہیں اے فرقۂ جفا
صحبت اُنہی دلیروں کی ہمکو رہی سدا کیا سام کا ہے مُنہ جو کرے آکے سامنا

دل میں یہ نہ سمجھنا کہ ہم بھوکے پیاسے ہیں
جعفر کے پوتے اور علی کے نواسے ہیں

وہ بولے شاہزادو یہ سب راست ہی بیاں مشہور ہے شجاعوں میں ہاشم کا خاندان
رُخ سے تمہارے شانِ علی صاف ہی عیاں روکش ہوں تم سے ہم بھلا یہ تاب ہے کہاں

عبّاس سے نہ قاسم و اکبر سے کام ہے
ہم کو فقط حسین کے اک سر سے کام ہے

[له] حضرت علی شیر خدا کے جنگل کے شیر۔ مراد حضرت عباس سے ہے۔

یہ سُن کے تھرتھرا گئے وہ عاشقِ امام
آیا جلال سُرخ ہوئے روئے لالہ فام
بڑھتے ہی ہاتھ تیغوں نے خالی کئے نیام
لیکر علی کا نام اُٹھائے جو خوشخرام
یوں یک بیک گرے سپہ نابکار پر
شیر گرسنہ جیسے جھپٹ کر شکار پر

پھر تو سروہیوں[۵۷] نے بھی محشر بپا کیا
اُس نے بدن کے پرزے سر اُسنے اُڑا دیا
پہلو پہ اک نے ایک نے سینے پہ دم لیا
شہ رگ کا اک نے ایک نے دل کا لہو پیا
راکب کو اک گرا کے گئی صاف زین پر
مرکب کو اک اڑا کے در آئی زمین پر

چمکی یہ مثلِ برق وہ برسی مثالِ ابر
یہ رہبرِ عدم ہوئی وہ رہنمائے قبر
وہ کلۂ نہنگ تو یہ سرپنجۂ ہزبر[۵۲]
دو کرتے ہیں نہ اُسکو تحمل نہ اُس کو صبر
پیدل کو سر پہ چڑھ کے بےحال کرتی تھی
گر گر کے وہ سواروں کو پامال کرتی تھی

اسی سلسلہ میں یہ بیت خوب ہے۔

وہ بازوؤں سے زورِ زد وکشت لے گئی
شانوں سے مل کے یہ کمر و پشت لے گئی

برسا رہے تھے تیغوں کے مینہ دونوں جابجا
ناری تھے سرد گرم تھا بازار موت کا
جو اک وغا شعار نے چلا کے یوں کہا
دو مل کے ہاشمی نہ کبھی کرتے تھے وغا

---

۵۷ سروہی ایک ہتھیار کا نام ہے۔

دستور یہ نہ تھا اسدِ کردگار کا
اِک اِک لڑو تو حال کُھلے کارزار کا

فرمایا روک روک کے دونوں نے خوشخرام — اس میں بھی بند ہم نہیں اے ساکنانِ شام
بھائی سے چھوٹے بھائی نے پھر یوں کیا کلام — اب دیکھ لیں حضور ذرا جرأتِ غلام
یہ کہہ کے باگ لی فرسِ تیز گام کی
باقی نہ رن رہا نہ صفیں فوجِ شام کی

مثلِ ہوائے تند جو سَن سَن چلی حسام — بجھنے لگے چراغِ حیاتِ سپاہِ شام
وہ غول نیم جاں تو یہ صف ہو گئی تمام — اِک تیغ نے بگاڑ دیا سب کا انتظام
دم بھر کوئی رسالہ نہ تھا اک قرار پر
پیدل یہ تھے سوار تو پیدل سوار پر

شمشیرِ برق دم کے جو شعلوں کی اُٹھی لَو — جل کر اِدھر پچاس گرے اُس طرف کو سَو
عُمرِ عدو کی شمع میں طلعت رہی نہ ضَو — غل تھا یہ چار سمت کہ نکلا وہ ماہِ نو
صف صف جلا کے ناریوں کو خاک کرتی تھی
روئے زمیں کو ظالموں سے پاک کرتی تھی

جب آئی وہ کڑک کے کلیجہ دھڑک گیا — سیمرغِ روح تن کے قفس میں پھڑک گیا
چوپٹ ہوا سوار تو گھوڑا بھڑک گیا — گمراہ کے غول بھاگے جو پتّا کھڑک گیا
خود بینیٔ عدو کا یہ نقشہ مٹاتی تھی
آئینۂ حیات کی قلعی اُڑاتی تھی

بھائی کو بھائی دیتا تھا ہر وار پر صدا — کیا کام کر رہے ہو میری جان مرحبا

سر بر تمہاری تیغ سے کیا ہونگے اشقیا — دم لو اب آکے تم یہ برادر کرے وغا
وہ معرکے سے آئے اِدھر یہ اُدھر بڑھے
ہو نذر تیغ لے کے بدن اپنے سر بڑھے

پہلو میں ابن سعد کے تھا ایک نابکار — بد شکل و بد لیاقت و بد وضع بد شعار
اژدر خصال و دیو نژاد و سیاہ کار — مکار و پر فریب و ستم گار و بادہ خوار
تن میں زرہ تھی خود سرِ بے شکوہ پر
وہ زین پر مکیں تھا کہ اژدر تھا کوہ پر

فوجِ امیر شام میں نامی تھا بدگہر — یوں بڑھ کے اس سے کہنے لگا سعد کا پسر
لائے اگر تو کاٹ کے اس نوجواں کا سر — بھر دوں ابھی میں لعل و گہر سے تری سپر
اس کے سوا شجاعوں میں بھی جائے نام ہے
مغرور نے کہا کہ یہ میرا ہی کام ہے

بھالا سنبھالا اُسنے بڑھا چھیڑ کر سمند — آیا حضورِ عونِ بہادر وہ خود پسند
دستِ جری میں دیکھی جو تیغِ قضا بلند — تھرّائے مثلِ بید ستمگر کے بند بند
نیزہ بڑھا اِدھر سے اُدھر تیغ چل گئی
پیری سناں میں کاٹ کے پوری نکل گئی

اِس ضرب سے ہُوا متحیّر وہ کج ادا — تلوار لی نیام سے اور حملہ ور ہُوا
رد کر کے اُس کا وار بڑھا سبطِ مرتضےٰ — چمکی مثالِ شعلہ جو شمشیرِ برق زا
مغفر پہ بیٹھی سینہ و زیں سے گذر گئی
سر اُس کا لے کے تا بسرِ فاروں اُتر گئی

دیکھا جو ابنِ سعدِ لعیں نے یہ ماجرا گھبرا کے بولا فوج سے بے شرم و بےحیا
تنہا ابھی ہے گھیر لو وقفہ نہ دو ذرا نوکِ سناں پہ بڑھ کے اٹھالو تو ہے مزا
یوں گھیر لو اسے کہ نہ بچنے کی جا ملے
ایسا نہ ہو کہ بھائی سے پھر بھائی آملے

تنہا پہ حملہ ور ہوئے نو لاکھ اہلِ شر یاں تیغ شعلہ بار سے اڑنے لگے شرر
تنہائی پر جو بھائی کی بھائی نے کی نظر پہنچا اڑا کے رخش کو مانندِ شیرِ نر
دو شیر مل کے ساتھ جھکے پھر تو فوج پر
یوں پیچھے رواں تھے کہ بحرین موج پر

جتنے پرے بڑھے تھے برابر قلم ہوئے باندھے جو غول آئے تھے خود سر قلم ہوئے
خود و کلاہ و جوشن و بکتر قلم ہوئے تھے دور طائرانِ ہوا پر قلم ہوئے
اک سمت جسم ایک طرف سر تڑپتے تھے
بے زخم بھی بہت سے ستمگر تڑپتے تھے

یوں لڑ رہے تھے فوج سے سبطینِ مرتضیٰ اور دیکھتے تھے دور سے سلطانِ کربلا
ہر وار پر یہ کہتے تھے شاباش و مرحبا اکبر صدا یہ دیتے تھے ہاں بھائی واہ وا
عباسؑ کہتے تھے کوئی ایسا لڑا نہیں
بس اے دلیرو ہوش کسی کے بجا نہیں

تسلیم مڑ کے کرتے تھے وہ سب کو بار بار مضطر کھڑی تھیں ڈیوڑھی پہ زینب جگر فگار
ناگہ پکاری فضہؓ نہ ہوں آپ بے قرار اب لیلیا خوزادوں نے میدانِ کارزار
تا روم و شام دھاک ہے ان بھوکوں پیاسوں کی

دیتے ہیں سب دُہائی علیؑ کے نواسوں کی

فرمایا بنتِ فاطمہؑ نے سُن کے یہ کلام ۔۔۔ راضی ہوئے غلاموں سے اپنے شہِ انام
وہ بولی ہاں حضور یہ ہے شکر کا مقام ۔۔۔ دونوں کی مدح کرتے ہیں ایک ایک سے امام
ہنس کر کہا دعا مری حق نے قبول کی
راضی ہوئی اب اُن سے نواسی رسولؐ کی

یاں کہہ رہی تھیں فضہؑ سے یہ خواہرِ امام ۔۔۔ عاجز ہوئی مقابلہ سے واں سپاہِ شام
بھاگا سپر کو پھینک کے کوئی کوئی حسام ۔۔۔ جب کچھ نہ بن پڑا تو یہ کرنے لگے کلام
شہزادو صلح شاہ سے ہم نے قبول کی
بس بس دُہائی بنتِ جنابِ بتولؑ کی

سب حیلہ جو جو رن میں یہ چلّائے بار بار ۔۔۔ مڑ مڑ کے سُوئے خیمہ پکارے وہ گلعذار
اے خواہرِ جنابِ امامِ فلک وقار ۔۔۔ اعدا سے ہم نے چھین لیا دشتِ کارزار
ہر دم دُہائی آپ کی دیتے ہیں کیا کریں
فرمائیے کہ صلح کریں یا وغا کریں

یوں کہہ رہے تھے خیمے کی جانب وہ مہ لقا ۔۔۔ جو اک طرف سے ٹوٹ پڑا لشکرِ جفا
زخموں سے دونوں چور ہوئے سر سے تا بہ پا ۔۔۔ بولے دغا کی ظالمو ہم سے تو کیا ہُوا
اکبر قصاص اس کا نہ کیا لیں گے دیکھنا
عبّاس تم کو کیا نہ سزا دیں گے دیکھنا

یہ کہہ رہے تھے وہ کہ گھٹی طاقت و تواں ۔۔۔ زخموں کے مُنہ سے خون کی نہریں ہوئیں رواں
گرنے لگے جو گھوڑوں سے وہ ہو کے نیم جاں ۔۔۔ آواز دی کہ المدد اے شاہِ دو جہاں

پھر بند آنکھیں ہو گئیں خاموش ہو گئے
گھوڑوں سے گر کے خاک پہ بیہوش ہو گئے

دوڑے یہ سُن کے ایک طرف شاہِ دوسرا فضہؑ نے بڑھ کے رَن میں جو دیکھا یہ ماجرا
کہنے لگی وہ دل میں کہ ہے ہے یہ کیا ہوا چلائی آ کے ڈیوڑھی پہ اے آلِ مصطفےٰ
جعفرؑ کے گھر کی اہلِ جفا نے صفائی کی
ہے ہے مری خوزادی کی ضائع کمائی کی

یہ سُن کے تھرتھرانے لگیں بنتِ مرتضےٰؑ پر ضبط کر کے بولیں کہ فضہ نہ غُل مچا
مارے گئے پسر مرے احسانِ کبریا کتنے تو یہ کہا پہ جگر پر نہ بس چلا
یہ سمجھے وہ کہ زخم پہ جس کے نمک پڑے
روکا بہت پر آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے

آخر نہ تاب آئی گری تھام کر جگر واں پہنچے قتل گاہ میں سلطانِ بحر و بر
بیٹا بھتیجا بھائی تھا ہمراہ ننگے سر دیکھا پڑے ہیں دونوں ہم آغوش خاک پر
یوں بھانجوں کی لاشوں پہ شبیر گر پڑے
اغلب تھا خاک پر فلک پیر گر پڑے

چھاتی لگا کے دونوں کو شفقت سے بار بار ہونٹوں پہ ہونٹ رکھ کے پکارے کہ میں نثار
لو آنکھیں کھولو دیکھو مرے دل کا اضطرار اٹھو سوئے خیام چلو ماں ہے بے قرار
حسرت تمہارے دل میں جو ہو وہ بر آئیگی
ماں صدقے ہو گی اور گلے سے لگائیگی

رونے لگے پکار کے پھر شاہِ کربلا غش میں سُنی جو گریۂ شبیرؑ کی صدا

دونوں نے آنکھیں کھول کے تھرا کے یہ کہا آقا خدا کے واسطے یہ پرورش ہے کیا
سُن لیں کہیں نہ والدہ اس شور و شین کو
ہوں گی خفا کہ رونے دیا کیوں حسینؑ کو

اکبر پکارے تم ہو ہمارے دل و جگر اچھا چلو میں چلتا ہوں رُو و نہ اس قدر
خیمے کو لاشے لیکے چلے شاہِ بحر و بر فضہؑ نے بڑھ کے زینبؑ مضطر کو دی خبر
کپڑے ہیں سُرخ تیروں سے سینے چھدے ہوئے
بی بی خوزادے آتے ہیں دولھا بنے ہوئے

جواں مرگ بیٹوں کی نعشوں پر حضرت زینب کے پُردرد بیان

پیارو وہاں چلے ہو جہاں کا نشاں نہیں رہبر نہیں رفیق نہیں کارواں نہیں
بچے ہو ساتھ باپ نہیں اور ماں نہیں زخموں سے چور چور ہو تاب و تواں نہیں
منزل بلک غضب کی ہے تنہائی راہ میں
بھائی سے ہوشیار رہے بھائی راہ میں

پوچھے درِ بہشت پہ گر خازنِ جناں تم کون ہو کہاں سے ہوا ہے گذر یہاں
ہاں افصح العرب کے نواسو نثار ماں اُس دم کہیں پیاس سے لکنت کرے زباں
کہنا کہ ہم شبیہِ پیمبرؐ کے بھائی ہیں
شبیرؑ کے غلام ہیں اور کربلائی ہیں

اتنے میں آئے روتے ہوئے شاہِ دو جہاں پرسا دیا بہن کو بصد نالہ و فغاں
لاشوں کو لیکے جانبِ میداں ہوئے رواں صفدر کمیتِ خامہ کی اب روک لے عناں

محشر کا شور خیمۂ شاہِ زمن میں ہے
اب گفتگو جدائی کی بھائی بہن میں ہے

(جلد سوم ختم)